25

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

30 جون 2004ء - 11 جمادی الاوّل 1425ھ

www.tanzeem.org

اس شمارے میں

نیک محمد کی شہادت اور پاکستان

علم کا سرچشمہ: ذاتِ الٰہی

ڈاکٹر اسرار احمد کا
ہفت روزہ تکبیر کو انٹرویو

میرے آئینۂ افکار میں

گھر کا بھیدی

روشن خیال اعتدال پسند اسلام؟

سنتے تھے سحر ہو گی!

سوشلزم کا چقندری مومن

کاروانِ خلافت منزل بہ منزل

خنجر بمقابلہ تلوار

بادشاہ سلامت اپنے گھر سے نکلے تو پہرے چوکی کے کسی شخص کو ساتھ نہ لیا۔ ہاں ایک تیز دھار والا خنجر اپنی عبا میں چھپا لیا۔ سواری کا گھوڑا طلب کیا اور تن تنہا اپنے محل سے نکل گیا۔ تھا تو وہ فرمانروائے وقت لیکن اب اس کی حیثیت ایک ملزم کی تھی۔ عدالت نے اسے ایک نادہندہ کی حیثیت سے مقدمے میں طلب کیا تھا۔ مقدمہ ختم ہوا۔ تو حکمران وقت نے دیکھا کہ قاضی جس گدی پر بیٹھے تھے اس سے اتر گئے پھر انہوں نے گدی کا ایک کونا اوپر اٹھایا۔ اس کے نیچے سے ایک تلوار نکالی یہ دو دھاری تلوار تھی۔ تازہ باڑ پر رکھی ہوئی ایسی تیز کہ پان اوپر آ گرے یا بال اڑتا ہوا آ کر اس پر پڑ جائے تو دو ٹکڑے ہو جائے۔ قاضی نے کہا حضور یہ تلوار ملاحظہ فرمائیے۔ میں تو یہ طے کر کے آیا تھا کہ اگر آپ احکام شریعت سے ذرا بھی پھر گئے تو یہ تلوار آپ کے اور میرے درمیان فیصلہ کرے گی۔ میرے عملے کے لوگ ممکن تھا کہ آپ کے رعب شاہی سے متاثر ہو جاتے اس لئے میں نے سوچ لیا تھا کہ خود میں آپ سے حدود اللہ کی تعمیل کراؤں گا۔

اپنے فرائض منصبی کی تکمیل میں مسلمانوں کی عدالتیں بڑی ذمے دار ہوتی ہیں۔ ہماری عدالتوں میں عدل کا اعلیٰ ترین معیار ملتا ہے کیونکہ فیصلہ کرنے والے پر خوف الٰہی ہمہ وقت طاری رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی عدالتوں میں رشوت لینے' دباؤ میں آ جانے یا جانبداری کا مظاہرہ کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر امتداد زمانہ کی وجہ سے مسلمانوں کی عدالتیں اس معیار سے گر گئی ہیں تو ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے اور ہماری حالت بہتر بنا دے۔ یوں تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ اسے اپنے کئے کی سزا بھگتنی پڑے گی وہ حاکم جو انصاف کی کرسی پر بیٹھتا ہے وہ تو ہوتا ہی پل صراط پر ہے۔ شاہ حسن ارغون نے ایک سوداگر سے فوج کے گھوڑے خریدے اور مملکت کے ایک خاص حصہ میں جا کر ٹھہر گیا۔ سوداگر نے گھوڑوں کے دام مانگے تو معلوم ہوا کہ شاہ کی نیت کچھ خراب ہے' وہ دینا نہیں چاہتا رقم بہت بڑی تھی۔ سوداگر بہت پریشان ہوا۔ جب اس نے کوئی چارہ نہ دیکھا تو مقامی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ کسی نے اسے ڈرایا کہ بادشاہ سے ٹکرانا ہنسی کھیل نہیں لیکن سوداگر کو اسلامی عدالت پر اعتماد تھا۔ اگر وہ دعویٰ نہ کرتا تو پردیس میں فاقوں مر جاتا۔ اپنے نقصان اور دوسروں کی ہنسی کا سامان بن کر انتظار کی گھڑیاں گن رہا تھا کہ ایک دن اس نے سنا کہ عدالت نے بادشاہ کو طلب کر لیا ہے۔ آخر مقدمے کا فیصلہ ہوا' تو بادشاہ نے اپنی خطا تسلیم کی اور پوری رقم فوراً ادا کرنے کا وعدہ کر لیا۔ مقدمہ ختم ہوا تو قاضی اپنی جگہ سے اٹھا۔ اب اس نے بادشاہ کی تعظیم کی۔ اب تک وہ بالکل بے تعلق بیٹھا ہوا تھا۔ بادشاہ نے بھی ذرا اپنی شان نہ دکھائی۔ عدالت برخاست ہوئی تو اب بادشاہ اس کے ساتھ گدی پر آ بیٹھا اور اپنی عبا میں سے ایک خنجر نکال کر اس نے قاضی کو دکھایا اور بولا میں نے تمہارے امتحان کے لئے یہ صورت اختیار کی تھی۔ اگر تم انصاف نہ کرتے تو اس خنجر سے اسی جگہ تم کو ختم کر دیتا۔

عدالت میں موجود ہر ایک خوش تھا کہ نہ خنجر کی ضرورت پڑی نہ تلوار کی۔ جہاں دلوں میں خوف الٰہی ہو' وہاں ان کی ضرورت ہی کیا ہے۔

اگر یہ معیار انصاف نہ ہوتا تو مسلمان تین تین براعظموں پر حکومت نہ کرتے۔ حکومت چاہے شورائی ہو یا شخصی فرمانروی اگر حاکموں میں ہو تو نوکر شاہی اور عوام ان کے رنگ میں رنگ جائے اگر حاکم خود لٹیرا ہے تو معاشرے کا طبقہ لوٹ کھسوٹ سے رشتہ جوڑ لیتا ہے۔

ماخذ: روزنامہ "نوائے وقت"

تحریر: شاہ بلیغ الدین

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ آل عمران (آیات 53 تا 54)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ٥ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ٥﴾

''اے پروردگار! جو (کتاب) تو نے نازل فرمائی ہے ہم اس پر ایمان لے آئے اور (تیرے) پیغمبر کے متبع ہو چکے تو ہم کو ماننے والوں میں لکھ رکھ۔ اور وہ (یعنی یہود قتلِ عیسیٰ کے بارے میں ایک) چال چلے اور اللہ بھی (عیسیٰ کو بچانے کے لئے) چال چلا اور اللہ خوب چال چلنے والا ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پکار مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ کے جواب میں حواریوں نے آپ کا ساتھ دینے کا اقرار کیا اور اب وہ دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے اس پر جو تو نے نازل کیا اور ہم اتباع کر رہے ہیں تیرے رسول کی۔ پس تو ہمارا نام بھی گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔ یہ اسی طرح کی بات ہے جیسے قرآن مجید میں آیا کہ لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا.

اب یہود نے بھی چالیں چلیں اور اللہ نے بھی چال چلی۔ ان کی چالیں یہ تھیں کہ اُن کے علماء تدبیریں سوچ رہے تھے کہ عیسیٰ ؑ کو کس طرح پھنسائیں اور معتوب کریں۔ وہاں حکومت یہودیوں کی نہیں تھی۔ اگرچہ بادشاہ یہودی تھا، مگر اصل طاقت رومیوں کی تھی۔ جس طرح مصر میں شاہ فاروق بادشاہ تھا، مگر اصل حکومت انگریزوں کی تھی، وہ تو صرف کٹھ پتلی تھا، اسی طرح اُس وقت یہودی بادشاہ بھی بے اختیار تھا۔ یہودی چاہتے تو وہ خود کسی کو سزا نہیں دے سکتے تھے بلکہ اُس کے لئے رومن گورنمنٹ کی اجازت ضروری تھی۔ تو اب یہود کے علماء اور فریسی طرح طرح کی تدبیریں کر رہے تھے کہ عیسیٰؑ سے کوئی ایسا ٹیڑھا سوال کریں کہ اُس کے جواب میں حکومت کے خلاف بغاوت کی بو آئے۔ ایسا ہوگا تو رومیوں سے کہا جاسکے گا کہ دیکھو! یہ شخص تمہارا باغی ہے۔ چنانچہ ہوا یہ کہ مسیحؑ کے ساتھیوں میں سے ایک نے غداری کی اور حضرت مسیحؑ کو گرفتار کروانے کی کوشش کی۔ یہ وہ واقعہ ہے جب عیسیٰؑ کو زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا۔ اس کی تفصیل نہ قرآن میں ہے، نہ حدیث میں ہے۔ البتہ پوپ کی لائبریری سے برآمد ہونے والی انجیل برنباس میں یہ واقعہ درج ہے، جو اس طرح ہے کہ عیسیٰ ؑ ایک باغ میں روپوش تھے اور آپ کے بارہ حواری باہر تھے۔ ان میں ایک غدار تھا، وہ چپکے سے باہر نکلا اور سپاہیوں کو رات کے اندھیرے میں ساتھ لے کر آیا اور انہیں کہا کہ اس کوٹھڑی کے اندر حضرت مسیحؑ ہیں، میں اندر جاتا ہوں، جیسے ہی میں کہوں اے میرے استاد! تم اسی وقت اندر گھس آنا اور حضرت مسیحؑ کو پکڑ لینا۔ چنانچہ جب وہ غدار کوٹھڑی کے اندر داخل ہوا تو اس کوٹھڑی کی چھت پھٹی۔ چار فرشتے نمودار ہوئے اور حضرت مسیحؑ کو لے کر چلے گئے۔ اُس غدار کی شکل تبدیل کر کے حضرت مسیحؑ جیسی کر دی گئی۔ وہ گھبرا کر باہر نکلا تو دوسرے حواری اسے دیکھ کر پکار اٹھے اے ہمارے استاد! پیچھے کھڑے سپاہی اس آواز پر کان لگائے ہوئے تھے، فوراً لپکے اور اُس شخص کو پکڑ لیا۔ بعد ازاں اس کو سولی پر چڑھا دیا گیا اور عیسیٰ ؑ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ پکڑنے والے رومی سپاہیوں کو عیسیٰ ؑ کا تو پتہ نہیں تھا، اس غدار نے identify کرنا تھا۔ مگر جب وہ خود ہی عیسیٰ ؑ کی شکل میں باہر بھاگا اور دوسرے حواریوں نے اسے دیکھ کر اے ہمارے استاد کہا تو سپاہیوں نے اُسے ہی عیسیٰ ؑ سمجھ کر گرفتار کر لیا۔ یہ تھی وہ چال جو یہودیوں نے چلی اور یہ اس چال کا توڑ تھا جو اللہ تعالیٰ نے کیا۔ اور اللہ تو بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

فرمانِ نبویؐ

قرآن کے بغیر دل ویران گھر ہوتا ہے

چوہدری رحمت اللہ بٹر

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ((اِنَّ الَّذِيْ لَيْسَ فِيْ جَوْفِهٖ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ)) (مشکوٰۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص جس کے قلب میں قرآن کا کوئی حصہ نہیں ہے وہ مثل ویران گھر کے ہے۔''

صاحبِ مرقات اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ ویرانی اس لئے ہے کہ قلوب کی آبادی ایمان اور تلاوت کی وجہ سے ہوتی ہے اور باطن کی رونق اعتقاداتِ حقہ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر کرنے سے ہوتی ہے اور قلب کا ان امور سے خالی ہونا ظاہر ہے کہ ویرانی اور بے رونقی ہے۔ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے، اس کی عظمت کی کوئی حد نہیں۔ ہمیں قرآن کریم کے ساتھ اپنا تعلق استوار رکھنے کا حکم ہے۔ اس کا پڑھنا پڑھانا، حفظ کرنا اور سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں بہترین وہ ہیں جو قرآن سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تا خلافت کی بناً دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ لاہور

ندائے خلافت

جلد	24 تا 30 جون 2004ء	شمارہ
13	5 تا 11 جمادی الاوّل 1425ھ	25

بانی: **اقتدار احمد** مرحوم

مدیر مسئول: **حافظ عاکف سعید**

مدیر انتظامی: **سید قاسم محمود**

مجلس ادارت

ڈاکٹر عبدالخالق ۔ مرزا ایوب بیگ
سردار اعوان ۔ محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔ گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ لاہور
فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور
فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ: **5** روپے

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک ..... 250 روپے

بیرون پاکستان

یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)

☆.☆.☆

''ادارہ'' کا مضمون نگار کی رائے سے
متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

نیک محمد کی شہادت اور پاکستان

18 جون کی شب کو ایک عجیب واقعہ ہوا۔ پاکستانی فوج نے ایک دردمند' محبّ وطن پاکستانی نوجوان نیک محمد کو میزائل مار کر شہید کر دیا۔ اس پر الزام بھی عجیب تھا۔ یہ کہ اُس نے القاعدہ کے مبینہ غیر ملکی ارکان کو پناہ دے رکھی ہے۔ یہ وہی الزام ہے جو امریکہ نے طالبان پر لگایا تھا کہ انہوں نے اسامہ بن لادن کو پناہ دے رکھی ہے۔ نیک محمد کی شہادت کی خبر کے ساتھ ہی اخبارات نے ان کا آخری انٹرویو بھی شائع کیا ہے جو انہوں نے بی بی سی کو دیا تھا جس کا ایک فقرہ بہت تکلیف دہ ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ ''ہماری حکومت نے چیچن مارنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اگر لاش بولتی تو پتا چلتا' وہ غیر ملکی ہے یا پاکستانی''۔ ان خبروں کے ساتھ ہی سدا متبسم نیک محمد کی وہ تصویر بھی چھپی ہے جو گزشتہ ہفتے اخباری نمائندوں نے اتاری تھی' جس میں عام معافی کے اعلان اور حکومت سے امن معاہدہ طے ہو جانے پر کور کمانڈر صفدر حسین انہیں ہار پہنا رہے ہیں۔

امن معاہدہ طے ہو جانے کے بعد' چند روز کے اندر اندر وہ کون سے حالات تھے' جن کے تحت جس شخص کو ہار پہنائے گئے' اُسے میزائل جیسے خوفناک آسمانی ہتھیار سے مار کر ہلاک کر دیا گیا؟ اس کا جواب بھی اُن کے آخری انٹرویو کے اس جملے میں پنہاں ہے: ''پاکستان کے فوجی حکمرانوں نے امریکا کی خوشنودی کے لئے وفاداروں کو دشمن بنا لیا''۔ وانا آپریشن حکومت نے غیر ملکی مجاہدین کے خلاف شروع کیا تھا' مگر بعد میں خود حکومت نے اعتراف کیا کہ فوجی کارروائی کا نشانہ مقامی قبائلی شہری بنے۔ یہی وجہ ہے کہ دو طرفہ جانی و مالی نقصان کے بعد معاہدہ شکنی ہوا تھا' جس پر دونوں طرف سے اظہارِ مسرت کیا گیا۔ جنرل پرویز مشرف نے اس معاہدے کے بعد نیک محمد سمیت مطلوب افراد کے لئے عام معافی کا اعلان کیا' جبکہ کور کمانڈر پشاور نے نیک محمد کو ہار پہنا کر امن اور دوستی کا پیغام دیا۔ اصل نکتے کی بات' جس کا ہمارے سوال سے گہرا تعلق ہے' وہ یہ ہے کہ امریکا نے پہلے ہی دن اس معاہدے کو بھی مسترد کر دیا اور عام معافی کے اعلان کو بھی پسند نہیں کیا۔ چنانچہ چند روز کے بعد ہی غیر ملکیوں کی رجسٹریشن اور بعض دوسری چھوٹی موٹی باتوں کو بہانہ بنا کر معاہدہ ختم کرنے اور نیا آپریشن شروع کرنے کا اعلان کر دیا گیا جو اس لحاظ سے افسوسناک تھا کہ یہ پاکستان کی سرزمین پر' پاکستان کے وفادار شہریوں کے خلاف تھا اور صرف امریکا کے مفادات کا پاسدار تھا' نیک محمد کی شہادت کا کریڈٹ اگرچہ سرکاری ترجمان نے پاک فوج کو دیا ہے' لیکن سیٹلائٹ ٹیلی فون پر ہونے والی گفتگو سے نیک محمد کا اتا پتا معلوم کرنے کی جو تفصیلات سامنے آئی ہیں' ان کے پیش نظر ماہرین کا کہنا ہے کہ پاکستان کے پاس یہ ٹیکنالوجی نہیں ہے۔ امریکا نہ صرف سیٹلائٹ ٹیلی فون پر ہونے والے گفتگو سے کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ اس وقت کس مقام پر ہے' بلکہ وہ گائیڈڈ میزائل کے ذریعے نشانہ بھی بنا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماہرین نیک محمد اور اس کے ساتھیوں کی شہادت کو امریکی سراغ رسانی اور کارروائی کا نتیجہ قرار دے رہے ہیں۔

نیک محمد بے شک ابتدا میں پاک فوج کی مزاحمت کرنے والوں میں پیش پیش تھا' کیونکہ اس علاقے کے قبائل میں دشمن کو بھی پناہ دینے کی رسم صدیوں سے' مذہبی شعائر کی مانند' نبھانے کی روایت چلی آ رہی ہے۔ افغانستان کی طالبان حکومت کے سابق امیر ملا عمر نے نیک محمد کو افواج پاکستان کے خلاف مزاحمت سے باز رہنے اور غیر ملکیوں کی رجسٹریشن کے معاملے پر حکومت سے تعاون کرنے کی اپیل کی تھی' لیکن نیک محمد نے ملا عمر کی درخواست مسترد کر کے فوج کے خلاف مزاحمت کرنے پر کاربند رہنے کا اعلان کیا تھا' لیکن حکومت سے معاہدۂ امن طے ہو جانے کے بعد نیک محمد ایک مختلف آدمی تھا۔ اب اس کی شخصیت ایک ایسی کڑی بن گئی تھی جو فوجی کارروائی پر برافروختہ وزیر قبائل اور حکومت کے مابین رابطے کا کام دیتی رہی اور آئندہ بھی دے سکتی تھی' لیکن **18** جون کو امریکی یا پاکستانی دونوں کی مشترکہ کارروائی کے نتیجے میں یہ کڑی ٹوٹ گئی ہے جو ہر لحاظ سے افسوسناک ہے۔

نیک محمد کی شہادت کے بعد یہ سمجھنا کہ القاعدہ یا طالبان یا امریکی استعمار کے خلاف جہاد کرنے والوں کی کمر ٹوٹ گئی ہے یا فوجی کارروائی اپنے منطقی انجام کو پہنچ گئی ہے' اپنے آپ کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔ امریکی نقطۂ نظر سے شاید یہ بڑی کامیابی ہو' لیکن پاکستان کے قومی مفادات اور سلامتی کے تقاضوں کے حوالے سے انتہائی نقصان دہ ہیں۔ اس سے پہلے کہ حالات مزید خراب ہوں اور ملک ہمیشہ کے لئے بدامنی' بدنظمی اور لاقانونیت اور خدانخواستہ خانہ جنگی کی کیفیت سے دوچار ہو' حکومت کو وانا آپریشن فوراً ختم کرنے کے علاوہ امریکا کے ساتھ تعاون ختم کر کے اپنے قومی مفادات کا تحفظ کرنا چاہئے اور عوام میں پیدا ہونے والے ہیجان اور حکومت کے مخالف جذبات کو روکنا چاہئے۔ عوام اور سیاسی و مذہبی جماعتیں یقیناً حکومت کی اس نئی پاکستان دوست پالیسی کا ساتھ دیں گے۔ (ادارہ)

سنتے تھے سحر ہوگی!

بنت محمد علی ابراہیم

یہ دیس ہمارا ہے اسے ہم نے سنوارا ہے
اس دیس کا ہر ذرہ ہمیں جان سے پیارا ہے

اس دیس سے اپنائیت کا اظہار تو گزشتہ 57 سال سے پاکستان کا ہر شہری اور ہر حکومت کرتی آ رہی ہے۔ سب کی محبتوں اور چاہتوں کے ابواب تاریخ میں رقم ہیں۔ موجودہ حالات میں پاکستان کا نظریہ اور تشخص جس بے چارگی کا شکار ہے' اس سے ہم سب بخوبی واقف ہیں۔ حکومت اپنی ''حکمت عملی'' پر پردہ ڈالنے کے لئے کوئی معقول اور ''معتدل'' جواز بھی تلاش نہیں کر سکی ہے۔ افغانستان کے معاملے میں ''معتدل راہ'' کا انتخاب کیا گیا جس کے نتیجے میں اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے قتل عام میں جس طرح ہو سکا' ہم نے تعاون کیا اور پھر یوں ہوا کہ امریکہ منظر سے ہٹ گیا اور بھارت کو ہمارے سامنے کر دیا کہ افغانستان میں جو کچھ کرنا ہے' کرو پاکستان کے ساتھ۔ اب وانا' وزیرستان میں جو قابل شرم باب شروع ہوا ہے' اس کے بارے میں لکھتے ہوئے شدت سے احساسِ ندامت ہو رہا ہے۔ اپنے ہی ملک کے باشندوں پر فوج بھیج کر چڑھائی کر دی جائے اور صرف اس لئے کہ وہاں طالبان کے چند افراد کی موجودگی کا گمان ہے' بہت قابل شرم حرکت ہے۔ اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے اپنے ہی ملک کا امن داؤ پر لگا دیا گیا اور اپنے ہی بھائیوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے۔ خدا معلوم دہشت گرد کون ہے۔ وزیرستان کے بے گناہ پاکستانی یا ہماری فوج جس نے اپنے دامن کو اپنے بھائیوں کے خون سے رنگین کیا۔

آج پھر وہی تاریخ دہرائی گئی ہے جو 1971ء میں رقم ہوئی تھی۔ مورخ نے ایک مرتبہ پھر اس خون کو ''اپنوں کی بے اعتنائی'' جیسے الفاظ سے یاد کیا ہوگا' جب ہم نے اپنے بنگالی بھائیوں کے ساتھ بے انصافی اور زیادتی کر کے ان کو مشتعل کیا تو ہمارا ملک دولخت ہو گیا اور آج پھر حکومت پاکستان کو یہ خیال آ رہا ہے کہ وانا میں ہماری حکومت کا کچھ اختیار نہیں ہے۔ وہاں اپنی حاکمیت جتانے کے لئے یہ سب کارروائی کرنی ضروری تھی۔ اس ملک کو بنے ہوئے نصف صدی گزر چکی ہے' ابھی تک ہم ان قبائلی علاقوں کو خود سے الگ سمجھتے آئے ہیں۔ اور اب ان کے خلاف خون ریز کارروائی کی گئی ہے۔ وانا میں فوج نے وہاں کے لوگوں کے گھر جلا دیئے' ان کی املاک ہی تباہ کرنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ ان کو شدید جانی نقصان پہنچایا۔ فیض احمد فیض نے 1974ء میں ڈھاکہ سے واپسی کے بعد ایک نظم لکھی تھی جو آج بدقسمتی سے ہمارے حسب حال ہے۔ اس کے دو شعر یہ ہیں:

ہم جو ٹھہرے اجنبی اتنی ملاقاتوں کے بعد
پھر بنیں گے آشنا کتنی مداراتوں کے بعد
کب نظر میں آئے گی بے داغ سبزے کی بہار
خون کے دھبے دھلیں گے کتنی برساتوں کے بعد

اب ہم کس منہ سے گجرات کے جلتے گھروں اور کشمیر پر ہونے والے مظالم کے خلاف آواز اٹھائیں۔ انہی کارروائیوں میں ایک خاندان کے تیرہ افراد کو اس وقت خون میں نہلا دیا گیا جب وہ لوگ اپنے گھروں سے نقل مکانی کر کے جا رہے تھے۔ اس گاڑی میں عورتیں' بچے اور بوڑھے افراد سوار تھے۔ بعد میں پاک فوج کے ترجمان نے یہ توجیہ پیش کی کہ ہم نے ان لوگوں کو ریڈ الرٹ کر دیا تھا کہ وقت مقررہ تک اپنے گھروں کو خالی کر دیں۔ اس خاندان نے نکلنے میں دیر کر دی۔ گویا جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے کیا اسی دن کے لئے لاکھوں مسلمان کشت و خون کے دریا عبور کر کے پاکستان آئے تھے کہ اسلام کے نام لیواؤں کا یہ حشر کیا جائے۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا ہے کہ اہل پاکستان اللہ کے آگے گڑگڑا کر دعا مانگیں اور اجتماعی توبہ کریں۔

ہمارے اربابِ اختیار اربوں روپے کرکٹ کی عیاشی پر لگا دیتے ہیں اور غریب روٹی کے لئے ترستا رہتا ہے۔ ملک کا زرِمبادلہ ہر سال بڑھتا رہتا ہے۔ وزراء بغلیں بجاتے پھرتے ہیں اور عوام کی رسائی صرف بھوک افلاس اور بے روزگاری تک ہوتی ہے۔ ہم نے اللہ کے دین کے ساتھ اتنی زیادتیاں کی ہیں تو اللہ کیونکر آسمان اور زمین سے رزق کے خزانے نکالے گا۔

یہ ہے وہ سفر جو لا الہ الا اللہ کے سفر سے شروع ہوا تھا اور غیر ملکی اصنام کے دست و قدم چومنے پر منتج ہوا ہے۔ جس ملک کا فوجی اپنے ہی مسلمان بھائیوں پر گولیاں برساتے ہوئے خود کسی گولی کا شکار ہو جائے تو شہید کہلاتا ہے' اس ملک پر اللہ اپنی رحمت کے دروازے کیونکر کھولے گا؟

ہم اپنے خود ساختہ آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مارتے ہیں' اپنے ہی لوگوں کے خلاف ہتھیار اٹھاتے ہیں تاکہ ملک میں فساد و انتشار' بدامنی اور بغاوت پھیلے۔ افسوس صد افسوس ہم نے اپنے اجداد کی قربانیوں کو بھلا دیا۔ ہمیں یہ یاد ہی نہیں ہے کہ کتنے شہداء کا لہو' کتنی معصوم رداؤں کی قربانیاں ہیں اس دھرتی میں۔ ہم نے اقبال کے خواب کو تعبیر نہ دی اور قائد کے فرمودات کو اپنے ذہن سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا ہے۔ اب ہمارے پاس ایسی کون سی برہان ہے جو ہم اپنی معصومیت ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے آگے پیش کر سکیں۔ ان سب باتوں کے باوجود خود کو غیور' باوقار اور باعزت کہتے ہوئے ہماری زبان نہیں تھکتی۔ عزت و وقار تو ان قوموں کے حصے میں آتا ہے جن کے کچھ اصول ہوں' کچھ قاعدے ہوں' جو ڈالروں کے ریٹ گرنے اور بڑھنے سے اصول توڑا اور بنایا نہیں کرتے۔

ضرورت رشتہ

☆ 27 سالہ کامرس گریجویٹ برسرِ روزگار لاہور کے رہائشی لڑکے کے لئے تعلیم یافتہ ترجیحاً دینی مزاج کی حامل آرائیں فیملی سے رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: مختار احمد خان' موبائل: 0300-449767

☆ ایم۔اے (سوشل ورک) 26 سالہ برسر روزگار' متوسط خاندان کے نوجوان کے لئے موزوں رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: 7442153(042) 211258(0451)

☆ دینی گھرانے کی 26 سالہ کنواری' قد 5.7 فٹ' تعلیم بی کام' چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کی ٹریننگ اپنے والد سے حاصل کی' کے لئے کراچی ہی میں رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: پوسٹ بکس نمبر: 5619' کراچی: 74000

منبر و محراب

علم کا سرچشمہ: ذاتِ الٰہی

مسجد دارالسلام باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب کے 11 جون 2004ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

اَعُوذباللّٰہ من الشیطٰن الرجیم...... بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیمo

سامعین محترم! آپ نے ابھی سورہ کہف کے نویں اور دسویں رکوع کی تلاوت سماعت فرمائی ہے جو آیات 60 تا 82 پر مشتمل ہیں۔ ان آیات کا اردو ترجمہ یہ ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ مُوسٰی لِفَتٰهُ لَآ اَبْرَحُ.................... مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًاo﴾

''اور جب موسیٰؑ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک میں دو دریاؤں کے سنگم پر نہ پہنچ جاؤں' ہٹنے کا نہیں' خواہ برسوں چلتا رہوں (60)۔ پس جب وہ ان کے سنگم پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے اور وہ نکل کر اس طرح دریا میں چلی گئی جیسے کوئی سرنگ لگی ہو (61) آگے جا کر موسیٰؑ نے اپنے شاگرد سے کہا: ''لاؤ ہمارا ناشتہ' آج کے سفر میں تو ہم بری طرح تھک گئے ہیں (62) شاگرد نے کہا: ''آپ نے دیکھا یہ کیا ہوا۔ جب ہم اُس چٹان کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے' اُس وقت مجھے مچھلی کا خیال نہ رہا اور شیطان نے مجھ کو ایسا غافل کر دیا کہ میں اس کا ذکر (آپ سے کرنا) بھول گیا۔ مچھلی تو عجیب طریقے سے نکل کر دریا میں چلی گئی (63) موسیٰؑ نے کہا: ''یہی تو وہ مقام ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے تو وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے (64) وہاں انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو دیکھا' جسے ہم نے اپنی رحمت سے نوازا تھا اور اپنی طرف سے ایک خاص علم عطا کیا تھا (65) موسیٰ نے اس سے کہا: کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں' تا کہ آپ مجھے اُس علم و دانش کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے (66) اس نے جواب دیا: ''آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکتے (67) اور جس چیز کی آپ کو خبر ہی نہ ہو' اُس پر آپ صبر کر بھی کیسے کر سکتے ہیں (68) موسیٰ نے کہا ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے' اور میں کسی معاملے میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا (69) اس نے کہا اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو شرط یہ ہے' مجھ سے کوئی بات نہ کرنا' جب تک میں خود اس کا ذکر تم سے نہ کروں۔ (70) اب وہ دونوں روانہ ہوئے' یہاں تک کہ جب وہ ایک کشتی میں سوار ہو گئے تو اُس شخص نے کشتی میں شگاف ڈال دیا۔ موسیٰ نے کہا: ''آپ نے اس میں شگاف ڈال دیا' تا کہ سب کشتی والوں کو ڈبو دیں؟ یہ تو آپ نے بڑی عجیب بات کی (71) اس نے کہا ''میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے (72) موسیٰ نے کہا جو بھول مجھ سے ہوئی' اس پر مواخذہ نہ کیجئے' اور میرے معاملے میں مجھ پر ذرا سختی سے کام نہ لیں (73) پھر وہ دونوں چلے' یہاں تک کہ راستے میں ان کو ایک لڑکا ملا۔ اس شخص نے اسے قتل کر دیا۔ موسیٰ نے کہا ''آپ نے ایک بے گناہ کی جان لے لی' حالانکہ اس نے کسی کا خون نہ کیا تھا؟ یہ تو آپ نے بہت ہی برا کیا (74) اس نے کہا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے (75) موسیٰ نے کہا اس کے بعد اگر میں آپ سے کچھ پوچھوں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھئے گا کہ آپ میری طرف سے معذرت کے قبول میں غایت کو پہنچ گئے (76) پھر وہ آگے چلے' یہاں تک کہ ایک بستی میں پہنچے اور وہاں کے لوگوں سے کھانا مانگا' مگر انہوں نے ان دونوں کی ضیافت سے انکار کر دیا۔ وہاں انہوں نے ایک دیوار دیکھی جو جھک کر گرا چاہتی تھی۔ اس شخص نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت لے سکتے تھے (77) اس نے کہا بس میرا تمہارا ساتھ ختم ہوا۔ مگر جن باتوں پر تم صبر نہ کر سکے' میں ان کا بھید تمہیں بتائے دیتا ہوں (78) اس کشتی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ چند غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے۔ میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں' کیونکہ آگے ایسے بادشاہ کا علاقہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا (79) اور وہ جو لڑکا تھا اسکے ماں باپ دونوں مومن تھے۔ ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ بڑا ہو کر بدکردار ہو گا۔ کہیں ان کو سرکشی اور کفر سے تنگ نہ کرے (80) اس لئے ہم نے چاہا کہ ان کا رب اس کے بدلے ان کو ایسی اولاد دے جو اخلاق میں بھی اس سے بہتر ہو اور محبت میں زیادہ قریب ہو (81) اور وہ جو دیوار تھی' وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں رہتے تھے اور اسکے نیچے ان کا خزانہ مدفون تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔ تو تمہارے رب نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور پھر اپنا خزانہ نکالیں۔ یہ تمہارے رب کی رحمت کی بنا پر کیا گیا ہے۔ یہ کام میں نے کچھ اپنے اختیار سے نہیں کئے ہیں۔ یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر تم صبر نہ کر سکے (82)۔

☆ان دونوں رکوعوں میں حضرت موسیٰؑ اور ایک اللہ کے بندے کا قصہ ہے' جس کا نام روایات میں خضر بیان کیا جاتا ہے۔ یہ قصہ قرآن مجید میں مذکور' مشہور قصص میں سے ہے۔ اس سے جو سبق ہمیں ملتا ہے اور جس کا تطابق دورِ حاضر کی دجالیت سے کیونکر ہوتا ہے' اس پر گفتگو تو بعد میں ہو گی' پہلے ہم اس قصے کا آیت بہ آیت مطالعہ کریں گے۔

اس آیت 60 میں موسیٰؑ کا جو ذکر آیا ہے تو بعض مفسرین کے درمیان اختلاف ہے کہ کون سے موسیٰؑ ہیں۔ کیا وہی جو بنی اسرائیل کے صاحب شریعت پیغمبر اور رسول ہیں یا یہ واقعہ کسی اور شخص کا ہے جس کا نام بھی اتفاق سے موسیٰ تھا۔ صحیح بخاری میں پورے پس منظر اور دلائل کے ساتھ واضح کیا گیا ہے کہ یہ موسیٰ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کے ساتھی اور شاگرد کون ہیں؟ قرآن مجید میں اُن کا نام نہیں بتایا گیا ہے' البتہ بعض روایات میں ذکر ہے کہ وہ حضرت یوشع بن نون تھے جو حضرت موسیٰؑ کے بعد اُن کے خلیفہ ہوئے۔

''مجمع البحرین'' کون سا مقام ہے؟ کسی نے کہا' جہاں پر دجلہ اور فرات آ کر ملتے ہیں۔ کسی نے کہا' مصر کے دو دریا' نیل ازرق اور نیل ابیض (نیلا اور سفید) اور یہ دونوں دریائے نیل سوڈان میں خرطوم میں آ کر ملتے ہیں اور ایک دریا بن جاتے ہیں۔ لیکن مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی تحقیق زیادہ قرین قیاس ہے۔ انہوں نے اپنی تحقیقی تالیف ''قصص القرآن'' میں وضاحت سے لکھا ہے کہ ''مجمع البحرین'' وہ علاقہ ہے جہاں بحیرہ روم اور بحیرۂ قلزم اگرچہ آپس میں ملتے نہیں ہیں' لیکن قریب آ جاتے ہیں''۔

یہاں ایک اور اشکال کا ذکر بھی ہو جائے' جس کا ذکر آگے آیت 65 میں آ رہا ہے۔ وہ اللہ کا بندہ کون تھا' جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نوازا تھا اور اپنی طرف سے ایک خاص علم عطا کیا تھا؟ قرآن مجید میں اس شخص کا نام نہیں بتایا گیا ہے' لیکن صحیح بخاری اور دوسری روایات میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حضرت خضرؑ ہیں۔ اگر وہ حضرت خضرؑ

ہیں جن کا نام حیات جاوید کے حوالے سے آتا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں۔ایک بحث یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کے پیغمبر تھے یا ولی؟ اس پر بھی تفاسیر میں بہت گفتگو ہے۔محدثین سختی سے اس بات کے قائل ہیں کہ انہیں کوئی حیات جاوداں عطا نہیں ہوئی تھی اور وہ وفات پا چکے ہیں۔جیسے اور انسان آئے اور گئے اسی طرح خضر بھی آئے اور گئے۔وہ اللہ کے ولی تھے اپنی عمر طبعی پوری کر کے رخصت ہوئے لیکن صوفیاء اور اہل معرفت کا موقف مختلف ہے۔ان کا کہنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سمندروں کے اندر اپنے احکامات کی تنفیذ کے لئے حضرت خضر کو مامور کیا ہوا ہے اور جنگلات دشت وصحرا اور خشکی پر الیاس نامی قضا وقدر کے کارکنوں میں سے ایک مامور منجانب اللہ ہے لیکن یہ رائے صوفیا کی ہے۔محدثین اس کو نہیں مانتے۔ان کا کہنا یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی آمد سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا اور وہ اپنی عمر طبعی پوری کر کے عام انسانوں کی طرح اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

اس قرآنی قصے کے بارے میں ایک حدیث ''صحیح بخاری'' میں بیان ہوئی ہے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے اُبی بن کعبؓ نے یہ حدیث بیان کی ہے۔یہ دونوں آنحضور ﷺ کے جلیل القدر صحابی ہیں اور علم القرآن اور تفسیر میں ان دونوں کا مقام بڑا اونچا ہے۔انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ایک روز حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل سے خطاب فرما رہے تھے کہ کسی شخص نے دریافت کیا کہ اس زمانے میں سب سے بڑا عالم کون ہے۔حضرت موسیٰؑ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ علم مجھے عطا فرمایا ہے۔اور یہ بات امر واقعہ بھی ہے۔وہ وقت کے رسول ہیں اللہ کے پیغمبر ہیں۔انہیں اللہ تعالیٰ نے براہ راست آسمانی ہدایت عطا کی ہے۔اُن پر فرشتہ آتا ہے۔وحی نازل ہوتی ہے تو ان سے بڑھ کر عالم اور کون ہو سکتا تھا۔لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ جواب پسند نہ آیا۔چنانچہ آنحضور ﷺ کے الفاظ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی بات پسند نہ آئی اور القا ہوا کہ تمہارا منصب تو یہ تھا کہ اس کو علم الٰہی کے سپرد کرتے اور کہتے کہ ''واللہ اعلم'' اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس وقت بڑا عالم ہے اپنے مقام اور مرتبے کے حوالے سے شایانِ شان جواب یہ ہونا چاہئے تھا اور پھر وحی نازل فرمائی کہ جس جگہ دو سمندر ملتے ہیں وہاں ہمارا ایک بندہ ہے۔بعض امور میں وہ تم سے بھی اعلیٰ اور دانا ہے۔حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا کہ اے پروردگار! تیرے اس بندے تک رسائی کا طریقہ کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا مچھلی کو اپنے توشہ داں (ناشتہ داں) میں رکھو۔جو زادِ سفر ساتھ ہے اس میں مچھلی کو رکھو۔وہ مچھلی جس جگہ گم ہو جائے اُسی جگہ وہ شخص ملے گا۔

حضرت موسیٰؑ نے اپنی مچھلی کو توشہ دان میں رکھا اور اپنے خلیفہ یوشع بن نون کو ہمراہ لے کر اس مرد صالح کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔جب چلتے چلتے ایک مقام پر پہنچے تو دونوں ایک پتھر پر سر رکھ کر سو گئے۔مچھلی میں زندگی پیدا ہوئی یعنی یہ ایک معجزہ ہوا۔بعض روایات میں ہے کہ وہ مچھلی بھونی گئی تھی اور نمک وغیرہ لگا کر اسے تلا گیا تھا اور وہ ناشتے میں استعمال کرنے کے لئے رکھ لی گئی تھی۔اور قرآنی الفاظ بتا رہے ہیں کہ مچھلی میں زندگی پیدا ہوئی۔ظاہر بات ہے کہ اس مقام تک پہنچنے میں وقت لگا ہوگا اور اگر مچھلی توشہ دان میں زندہ حالت میں بھی رکھی گئی ہوگی تو وہ پانی سے باہر کتنی دیر زندہ رہ سکتی تھی۔یقیناً وہ زندہ نہیں تھی۔چنانچہ اس میں جان پیدا ہوئی (معجزہ ہوا) اور وہ اس توشہ دان سے نکل کر سمندر میں چلی گئی۔اور وہ مچھلی پانی کے جس حصے پر بہتی چلی گئی وہاں کا پانی برف کی طرح جم کر ایک چھوٹی سی پگڈنڈی کی طرح ہو گیا۔ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے سمندر میں ایک لکیر یا خط کھینچا ہوا ہو۔یہ پورا واقعہ سادگی سلاست اور وضاحت سے ان دو رکوعوں میں بیان ہوا ہے۔حدیث شریف میں اس کی مزید صراحت ہو جاتی ہے۔واقعہ میں کوئی الجھن نہیں ہے جس کے لئے مزید تشریح کی ضرورت ہو۔اصل مقصد حضرت موسیٰؑ کو یہ جتانا تھا کہ وہ سب سے بڑے عالم نہیں ہیں جیسا کہ انہوں نے دعویٰ کیا بلکہ اللہ کی رحمت سے اور لوگ بھی ہیں جو اُن سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔قرآن میں یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ نبی تھے یا ولی تھے یا ان کا نام خضر تھا یا لقب تھا۔صرف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ کے بندے تھے اور بس۔

اس اللہ کے بندے کے دو اوصاف بتائے گئے ہیں۔یہ جو بیان ہوا کہ ہم نے اپنے پاس سے خاص رحمت عطا کی ہے اس سے کیا مراد ہے۔اکثر مفسرین نے اس سے نبوت یا ولایت مراد لی ہے۔جبکہ آیت 65 میں واضح طور پر آیا ہے کہ ''ہم نے اپنی رحمت سے نوازا تھا اور اپنی طرف سے خاص علم عطا کیا تھا''۔یہ خاص علم کیا ہے؟ اللہ کی طرف سے خاص علم کا عطا ہو جانا اسے ہماری دینی اصطلاح میں ''علم لَدُنّی'' کہتے ہیں یعنی وہ علم جو براہ راست اللہ کی طرف سے عطا ہو جائے۔یہ ایک وہبی علم ہے جو اللہ تعالیٰ سے عطا شدہ ہوتا ہے۔ایک ہوتا ہے اکتسابی علم جو آدمی محنت کر کے حاصل کرتا ہے۔پڑھتا ہے وقت صرف کرتا ہے دن رات مطالعہ کرتا ہے۔اساتذہ سے استفادہ کرتا ہے فیض حاصل کرتا ہے۔تحقیق کی خاطر سیاحت کرتا ہے۔دوسرے ملکوں کے کتب خانے چھانتا ہے۔تب جا کر وہ عالم فاضل بنتا ہے۔یہ ہے اکتسابی علم۔اس کے برعکس 'علم لَدُنّی' ان ظاہری ذرائع کے بغیر حاصل ہوتا ہے۔

تو اس اللہ کے بندے کو خاص علم (لَدُنّی) عطا ہوا تھا جو حضرت موسیٰؑ کو عطا نہیں ہوا تھا۔ہاں حضرت موسیٰؑ کو تشریعی علم عطا ہوا تھا۔اس کی وضاحت یہ ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ایک حس عطا کی ہے۔جس سے ہم خیر و شر میں نیکی و بدی میں اچھائی و برائی میں تمیز کرتے ہیں۔کیا چیز خیر ہے کیا شر ہے۔کسی کو تنگ کرنا کسی پر ناحق ظلم کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔اس ظلم کے خلاف دنیا میں بھی سزا ہونی چاہئے اور آخرت میں بھی۔جھوٹ بولنا بہت بڑا گناہ ہے۔اس کی بھی سزا دنیا اور آخرت دونوں میں ہونی چاہئے۔ان ساری چیزوں کے لئے کوئی قانون کوئی شریعت ہونی چاہئے۔کوئی شخص قانون اور شریعت کے ضابطوں کو توڑتا ہے تو اس پر قانون اور شریعت کے تحت گرفت ہونی چاہئے۔قانون اور شریعت بنانا اور اسکے مطابق سزا کے ضوابط بنانا یہ ہے تشریعی علم اور یہ اپنی جگہ انتہائی اہم ہے۔شریعت ہے انسانی زندگی گزارنے کا صحیح طریقہ۔ہماری ساری شریعت اسی سے بحث کرتی ہے۔

ایک اور علم ہے علم تکوینیات۔پوری کائنات پر اللہ تعالیٰ کی ایک خفیہ حکومت جاری و ساری ہے جس کے اندرونی اسرار و رموز صرف وہی جانتا ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے کارکنان قضا وقدر کے ذریعے سے اپنے کچھ فیصلے نافذ کرتا ہے۔اس کے فرشتے ہر جگہ مامور ہیں۔وہ تنفیذ امر کے لئے ہی فرشتوں کو مامور کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی اپنی مصلحتیں ہیں۔اس کے اپنے قوانین ہیں اور وہ جو فیصلے کرتا ہے۔بعض دفعہ وہ تشریعی علم سے متصادم ہوتے ہیں اس لئے کہ علم کی کئی تہیں ہیں۔ایک ظاہری علم ہے ایک باطنی علم اور باطنی علم کے بھی کئی مدارج ہیں۔یہ باطنی علم اللہ تعالیٰ کے اپنے علم تکوینیات کا ایک گوشہ ہے سو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کو کچھ علم اپنے علم باطنی میں سے عطا فرمایا تھا اور یہ چیز حضرت موسیٰؑ کو عطا نہیں ہوئی تھی بلکہ علم کے اور بھی مدارج ہیں خصوصاً علم تکوینیات جو اللہ کا اپنا علم ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے علم میں جس کو چاہے جتنا چاہے عطا فرمائے جیسا کہ سورۃ بقرہ میں آیت الکرسی میں ہے:

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ

کوئی شخص اللہ کے علم میں سے کسی شے کا احاطہ نہیں کر سکتا۔اصل علم تو اللہ کے پاس ہے۔مگر الا بما شاء جتنا اللہ چاہے کسی کو بھی عطا کرے۔اپنے علم میں سے کسی کو کچھ دیا کسی کو کچھ دیا۔کسی کو ایک حصہ دیا کسی اور کو دوسرا حصہ دیا۔یہ اس کی مشیت ہے اس کا اپنا فیصلہ ہے اس کی اپنی مرضی ہے۔حضرت موسیٰؑ نے اس اللہ کے بندے سے درخواست کی ''کیا میں تمہارے ساتھ تھوڑی دور چل سکتا ہوں۔تھوڑی دیر تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ تم اُس علم میں سے جو تمہیں اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے کچھ مجھے بھی

سکھا دو۔ اسکا کچھ حصہ مجھے بھی عطا ہو' یعنی بالکل طالب طالب علمانہ انداز میں درخواست کر رہے ہیں۔ وہ کون ہیں' وقت کے رسول' اس زمین پر اللہ کے نمائندے' جن کو اللہ کی طرف سے مشن دیا گیا تھا ''جاؤ فرعون کے دربار میں کلمۂ حق بلند کرو''۔ اور اب وہ ایک اللہ کے بندے سے' جن کا نام بھی معلوم نہیں' وہ درخواست کر رہے ہیں' اور وہ مردِ درویش کہتا ہے: ''تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکو گے۔ اور تم کیسے صبر کر سکتے ہو' ان باتوں پر جن کا احاطہ نہیں کیا' تمہاری سمجھ نے' تمہارے علم نے' وہ چیزیں جو تمہارے حیطۂ علم سے باہر ہیں' جو تمہاری عقل میں آنے والی نہیں ہیں' اور جب تم اپنے تشریعی علم کے خلاف ان چیزوں کو دیکھو گے تو تم سے صبر نہ ہوگا۔ اب انہوں نے (آیت 70) ایک اور شرط لگا دی۔ وہ مردِ درویش بھی بہت سخت اصولوں کا پابند تھا۔ دیکھو! اگر تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے تو ہرگز مجھ سے کوئی سوال نہ کرنا۔ پوچھنا نہیں' خاموش' چپ چاپ میرے ساتھ رہو۔ جو واقعات پیش آئیں' انہیں دیکھتے رہو' حتیٰ کہ میں خود ہی پیش آمدہ واقعات کے بارے میں ذکر کروں۔ درمیان میں کوئی سوال نہ کرنا۔

اس حوالے سے ایک صاحب نے بڑا عمدہ نکتہ اٹھایا ہے۔ یعنی پہلی بات جو اس اللہ کے بندے نے کہی تھی کہ تم صبر نہ کر سکو گے' تو حضرت موسیٰؑ نے کہا تھا کہ ان شاء اللہ میں صبر کروں گا۔ یہاں تو ان شاء اللہ کہا' لیکن جب دوسری شرط سامنے آئی کہ بیچ میں سوال نہ کرنا' تو ان شاء اللہ نہیں کہا۔ چنانچہ تینوں واقعات کے موقع پر ان سے خلاف ورزی ہو گئی' کیونکہ انہوں نے انشاء اللہ نہیں کہا تھا۔

اس قصے میں تین چشم کشا واقعات بیان ہوئے جو بہ نظر ظاہر' شریعتی علم کے خلاف ہونے کے باعث لائق تعزیر ہیں۔ پہلا واقعہ: اس اللہ کے بندے نے کشتی میں شگاف ڈال دیا (آیت 71)۔ دوسرا واقعہ: ایک لڑکے کو اس شخص نے قتل کر دیا (آیت: 74)۔ تیسرا واقعہ: ایک جھکی ہوئی دیوار کو اس شخص نے سیدھا کر دیا (آیت 77)۔ تینوں واقعات پر حضرت موسیٰؑ کا اظہار تعجب بالکل قدرتی بات ہے:

(1) آپ نے کشتی میں شگاف کیوں ڈالا' کیا لوگوں کو ڈبونے کے لئے؟

(2) آپ نے ایک بے گناہ کو کیوں قتل کیا' جبکہ اس نے کسی کا خون نہ کیا تھا؟

(3) آپ چاہتے تو دیوار سیدھا کرنے کی اُجرت لے سکتے تھے۔ کیوں نہ لی؟

حضرت موسیٰؑ کے تشریعی علم کا جواب اس اللہ کے بندے نے' جن کو میں بھی مفسرین کے اجماع کے تحت حضرت خضر کہوں گا' اپنے وہبی علم کے مطابق دیا جو انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوا تھا۔

متعلقہ آیات کا مطالعہ ترجمہ کے ساتھ کیجئے۔ مطلب واضح ہے۔ حضرت خضرؑ نے فرمایا: ''اب میں تمہیں ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر تم صبر نہ کر سکے۔

(1) اس کشتی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ چند غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے۔ میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں' کیونکہ آگے ایک ایسے بادشاہ کا علاقہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔

(2) رہا وہ لڑکا' تو اس کے والدین مومن تھے۔ ہمیں اندیشہ ہوا کہ یہ لڑکا اپنی سرکشی اور کفر سے ان کو تنگ کرے گا اس لئے ہم نے چاہا کہ ان کا رب اس کے بدلے ان کو ایسی اولاد دے جو اخلاق میں بھی اس سے بہتر ہو اور جس سے صلۂ رحمی بھی زیادہ متوقع ہو۔

(3) اس دیوار کا معاملہ یہ ہے کہ یہ دو یتیم لڑکوں کی ہے جو اس شہر میں رہتے ہیں۔ اس دیوار کے نیچے ان بچوں کے لئے ایک خزانہ مدفون ہے اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا' اس لئے تمہارے رب نے چاہا کہ یہ دونوں بچے بالغ ہوں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ یہ تمہارے رب کی رحمت کی بنا پر کیا گیا ہے۔ میں نے کچھ اپنے اختیار سے نہیں کر دیا ہے۔ یہ ہے حقیقت ان باتوں کی' جن پر تم صبر نہ کر سکے۔

اس قصے سے جو اخلاقی سبق ہمیں ملتے ہیں' وہبی علم اور تشریعی علم کے فرق کے علاوہ' اُن کی ایک لمبی فہرست ہے اور اِدھر وقت ختم ہو چکا ہے' اور میں نے شروع ہی میں عرض کر دیا تھا کہ وقت کی پوری پابندی کی جائے گی۔

(تلخیص: فریداللہ مروت)

PRESS RELEASE | پریس ریلیز

بچاؤ کا واحد راستہ

تائن الیون کے واقعہ کے بعد دین وانصاف اور حمیت واخلاق کے اصولوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے ہم نے زمینی حقائق کو مدنظر رکھ کر جو راستہ اختیار کیا تھا' اس کے حوالے سے اللہ نے ہمیں دنیا ہی میں دکھا دیا کہ اس میں سراسر خسارہ ہے۔ ہم نے جن قومی مفادات کے تحفظ کے لئے امریکہ کے ظلم میں اس کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تھا وہ اب ایک ایک کر کے ہمارے ہاتھ سے نکل رہے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے اختتام پر کیا۔ انہوں نے کہا کہ وانا آپریشن کے بعد ملک میں جو افراتفری ہے اور امن وامان کی صورت حال جس طرح مخدوش ہے وہ ہمارے انہی غلط فیصلوں کا منطقی نتیجہ ہے۔ اب تو صورتحال یہ ہے کہ ملک میں کس کا کنٹرول ہے' کچھ پتہ نہیں چلتا۔ گویا پورا ملک ایک آگ میں جل رہا ہے۔ ان حالات میں بچاؤ کا واحد راستہ وہی ہے جو قرآن وسنت نے متعین کیا ہے' یعنی ہم انفرادی واجتماعی سطح پر اللہ کی طرف رجوع کریں۔ انفرادی سطح پر اللہ کے ساتھ اپنا معاملہ درست کریں اور سماجی' معاشی اور سیاسی سطح پر شریعت کو مقدم کر دیں تو امید ہے کہ اللہ کی نصرت وتائید کے بل بوتے پر ہم دجال کی اس دلدل سے نکل آئیں گے جس میں ہم نے جنت سمجھ کر قدم رکھا تھا۔

جاری کردہ: شعبہ نشر واشاعت' تنظیم اسلامی

اَللّٰھُمَّ

فریداللہ مروت

''اَللّٰھُمَّ'' حضور ﷺ نے فرمایا: اے حمزہ ؓ ہر دعا میں یہ کلمہ ضرور کہا کرو۔

''اَللّٰھُمَّ'' اسم اعظم ہے۔ شرح جمع الجوامع میں دلائل بھی دیئے گئے ہیں کہ لفظ اللہ ذات حق پر دلالت کرتا ہے اور صرف میم اللہ تعالیٰ کی ننانوے صفات پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لئے حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ''اَللّٰھُمَّ'' کا لفظ تمام دعاؤں کا جامع ہے۔ حضرت ابنِ مظفرؒ نے فرمایا کہ جس نے ''اَللّٰھُمَّ'' کا لفظ بطور دعا پکارا اس نے تمام اسماء حسنیٰ سے اللہ کو یاد کیا۔ ''اَللّٰھُمَّ'' کے لفظ میں اللہ تعالیٰ کے تمام ناموں کی برکات اور انوار مخفی ہیں۔ مومن جب ''اَللّٰھُمَّ'' کا لفظ پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

پیارے رسول ﷺ کی زبان مبارک سے یہ لفظ اکثر دعاؤں کے آغاز میں وارد ہوا ہے۔ خوش قسمت ہے وہ مومن جو وہی الفاظ اپنی زبان سے نکال رہا ہے جو محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان سے نکلے تھے۔

سوشلزم کا "چقندری مومن"

مسلم برنی

بات خاصی پرانی ہے۔ ایک دوست تھے ہمارے جو ہماری ہی طرح نیم پختہ یا سیکنڈ ہینڈ دانشور تھے' ان میں ایک صاحب نے یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ آئیں بائیں شائیں کر دیں گے' سوال کیا کہ بھلا بتایئے تو سہی کہ ''مولانا' مولوی' علامہ' ملا اور پیر میں کیا فرق ہے؟'' انہوں نے جھٹ جواب دیا کہ وہی فرق ہے جو ان لوگوں میں ہے:

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی: (امیر جماعت اسلامی)

مولوی عبدالحق: (بابائے اردو' جن کا دین سے تعلق اتنا ہی تھا جتنا آٹے میں نمک' یا شاید کچھ زیادہ یا کم)

علامہ عنایت اللہ مشرقی: (بانی و سربراہ خاکسار تحریک جنہوں نے دین کے صرف عسکری پہلو پر توجہ دی تھی اور ایک دور میں خیبر سے راس کماری تک چپ راست' چپ راست کی گونج تھی)

ملا طاہر سیف الدین: (داؤدی بوہرہ جماعت کے پیشوا)

پیر امین الحسنات مانکی شریف: (تحریک پاکستان کے ایک رہنما اور خانقاہی نظام کے ایک سجادہ نشین)

جواب ہمارے دوست نے فافٹ ایسا جامع دیا کہ ہم واقعی ان کی فل دانشوری کے قائل ہو گئے۔

آج کے دور میں اسے ہم اس طرح بیان کریں گے۔

مولانا فضل الرحمان ـــــ علامہ طاہر القادری ـــــ پیر پگاڑا شریف ـــــ ملا محمد عمر مجاہد ـــــ

اب رہ گیا ''مولوی'' تو یہ مخلوق پہلے بافراط ملتی تھی لیکن اب کمیاب ہی نہیں نایاب ہوتی جا رہی ہے۔ اب کوئی ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔ ہر کوئی مولانا یا علامہ' اس سے اوپر پرواز کے لئے کوئی اور لفظ اردو زبان میں ہے ہی نہیں۔ اب یا تو دیہات کے امام مسجد کو مولوی جی (مولبی جی) کہتے ہیں یا کوئی مولانا صاحب بزرگوار اپنے برخوردار کو عارضی طور پر ''مولوی'' کے لفظ سے نوازتے ہیں ـــــ جب وہ بڑا ہو جاتا ہے یا ہونے کے قریب ہوتا ہے تو جھٹ مولانا صاحب بن جاتا ہے۔ ''مولوی'' جو پہلے عام تھا اب کیوں متروک ہو چلا ہے۔ پتہ نہیں ہمارے علماء کرام کو یہ لاحقہ لگانے میں کیا امر مانع ہے۔ کیا انہیں اس سے کوئی عار محسوس ہوتی ہے؟ ہے کوئی جو اس کا جواب دے اور ثواب دارین حاصل کرے۔

ہم نے بہت عرق ریزی کی' سید قاسم محمود صاحب کی انسائیکلو پیڈیا پاکستانیکا پوری چھان ماری لیکن کوئی گوہر مقصود ہاتھ نہ لگا۔ وہاں تو صرف پرانے لوگوں مثلاً مولوی تمیز الدین خاں صاحب مرحوم (صدر دستور ساز اسمبلی) اور مولوی فرید احمد شہید (نظام اسلام پارٹی کے نمایاں رہنما) جیسے چند نام تو تھے لیکن موجودہ دور کا کوئی ''مولوی'' ہاتھ نہ لگا ـــــ ایک مبارک خیال یہ بھی آیا کہ جنرل پرویز مشرف صاحب بالقابہ کے نام سے پہلے ''مولوی'' لگا دوں کیونکہ انہیں دینی کاموں مثلاً حدود آرڈیننس وغیرہ میں دخل اندازی کا بڑا شوق ہے۔ خوش ہو جائیں گے۔ بیک وقت کئی ٹوپیاں پہنے ہیں' ایک کا اور اضافہ ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی انعام بھی بخش دیں۔ میرے دلدر دور ہو جائیں گے۔ جیسے تیسے سفید پوشی قائم کر رکھی ہے۔ اب آپ سے کیا پردہ' حال یہ ہے کہ کھانا اگر کھاتا ہوں کسی کیفے ڈی جھگی (یا جھونپڑا) میں تو خلال کرتا ہوں فائیو اسٹار ہوٹل کے لاؤنج یا گیٹ پر ـــــ مگر ڈر بھی لگتا ہے فوجی حکومت ہے۔ معاملہ برعکس بھی ہو سکتا ہے اور لینے کے دینے پڑ سکتے ہیں ـــــ ہم گھنٹوں سر پکڑے یہ سوچ ہی رہے تھے کہ قدرت کو ہمارے حال پر رحم آ گیا ـــــ اور معاً ہمارے ذہن میں مولوی جلال الدین حقانی کا نام آ گیا جو جہاد افغانستان کے عظیم گوریلا لیڈر ہیں۔ رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت ـــــ بات طویل ہو گئی اب دوبارہ پھر آ جایئے ہمارے دانشور دوست کی طرف۔

ایک اور موقع پر موصوف نے سوشلسٹ حضرات کی مندرجہ ذیل اقسام بیان فرمائیں۔ (واضح رہے کہ ان کا فیض عام ہوتا ہے۔ کوئی فیس وغیرہ نہیں۔ آپ چاہیں تو آپ کے مسئلے بھی چٹکی بجاتے ہی حل کر دیں)

1۔ تربوزی: اوپر سے سبز اور اندر سے سرخ (یعنی ہوتے تو وہ سرخ ہی ہیں لیکن اوپر سے مذہب کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں)

2۔ شکنجبی: اوپر سے سرخ اندر سے سفید (یعنی ہوتے تو وہ اندر سے سامراجی ہیں لیکن اپنے آپ کو سرخا ظاہر کرتے ہیں)

3۔ چقندری: اوپر سے بھی سرخ اندر سے بھی سرخ۔

پہلی قسم کے لوگ گو کہ سچے سوشلسٹ ہوتے ہیں مگر مذہب کی قبا اوڑھ کر لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں' البتہ دوسری قسم کے سوشلسٹ منافق ہوتے ہیں۔

رہی تیسری قسم تو یہی دراصل سچے سوشلسٹ مومن ہوتے ہیں۔ وہ تو ایک دور تھا جب کہ دنیا میں سوشلزم کا ڈنکا بج رہا تھا۔ کمیونزم کی دھوم تھی۔ سوشلسٹ اور کمیونسٹ ہر جگہ چھائے چلے جا رہے تھے لیکن آج سوشلزم تو اب بھی کہیں کہیں باقی ہے کہ اس کے پیروکار اب بنیاد پرست (Fundamentalist) نہیں رہے مگر کمیونزم کی افغانستان میں مجاہدین نے اس قدر ٹھکائی کی کہ اسے دریائے آمو کے پار بھاگنا پڑا۔ زخمی ہو کر گرتا پڑتا ماسکو پہنچ کر جان دے دی اور کریملن کی دیواروں کے نیچے منوں بلکہ ٹنوں مٹی کے نیچے دفن ہو گیا اور سوویٹ یونین اس طرح پارہ پارہ ہوئی کہ ـــــ اس دل کے ٹکڑے ہزار ہوئے کوئی یہاں گرا کوئی وہاں گرا۔ ہیگل' مارکس' لینن' ٹراٹسکی اور اسٹالن کی روحیں بھی تڑپ رہی ہوں گی اور بین کر رہی ہوں گی۔

تو صاحبو! یہ وقت وقت کی بات ہے۔ ہر کمالے را زوال۔ یہاں تک تحریر کر چکا تھا کہ نہ جانے کیوں مجھے مولانا مودودی کی دسمبر 1946ء میں کی گئی ایک تقریر (جب کہ سوشلزم اور کمیونزم کے نظریات نصف النہار پر تھے) کے حسب ذیل فقرے یاد آ گئے۔

''اگر آج آپ کے اجتماعی کردار میں پورے اسلام کا ٹھیک ٹھیک مظاہرہ ہونے لگے تو آپ دنیا میں سربلند اور آخرت میں سرخرو ہو کر رہیں گے۔ خوف و حزن' ذلت و مسکنت' مغلوبی و محکومی کے یہ سیاہ بادل جو آپ پر چھائے ہوئے ہیں چند سال کے اندر چھٹ جائیں گے۔ آپ کی دعوتِ حق اور سیرت صالحہ دلوں کو اور دماغوں کو مسخر کرتی چلی جائے گی۔ آپ کی ساکھ اور دھاک دنیا پر بیٹھتی چلی جائے گی۔ انصاف کی امیدیں آپ سے وابستہ کی جائیں گی۔ بھروسہ آپ کی امانت و دیانت پر کیا جائے گا۔ سند آپ کے قول کی لائی جائے گی۔ بھلائی کی توقعات آپ سے باندھی جائیں گی۔ ائمہ کفر کی کوئی ساکھ آپ کے مقابلہ میں باقی نہ رہ جائے گی۔ ان کے تمام فلسفے اور سیاسی و معاشی نظریئے آپ کی سچائی اور راست روی کے مقابلہ میں جھوٹے ملمع ثابت ہوں گے۔

جو طاقتیں آج ان کے کیمپ میں نظر آ رہی ہیں ٹوٹ ٹوٹ کر اسلام کے کیمپ میں آتی چلی جائیں گی۔ حتیٰ کہ ایک وقت وہ آئے گا جب کمیونزم خود ماسکو میں اپنے بچاؤ کے لئے پریشان ہو گا۔ سرمایہ دارانہ ڈیموکریسی خود واشنگٹن اور نیویارک میں اپنے تحفظ کے لئے لرزہ براندام ہو گی۔ مادہ پرستانہ الحاد خود لندن اور پیرس کی یونیورسٹیوں میں جگہ پانے سے عاجز ہو گا۔ نسل پرستی اور قوم پرستی خود برہمنوں اور جرمنوں میں اپنے معتقد نہ پا سکے گی اور یہ آج کا دور صرف

(باقی صفحہ نمبر 17 پر)

اُمت مسلمہ کو پیش آمدہ تازہ مصائب و مشکلات کے موضوع پر بانی تنظیم محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا یہ مفصل اور طویل انٹرویو ہفت روزہ ''تکبیر'' کراچی کی اشاعت بابت 22 جون 2004ء میں شائع ہوا تھا۔ یہاں ''تکبیر'' اور انٹرویو نگار اسرار بخاری صاحب کے شکریے کے ساتھ نقل کیا جا رہا ہے۔

احیائے اسلام کی تحریکیں!
روشن خیال اعتدال پسندی!
عالمی دہشت گردی کا ایک امریکی منصوبہ!

انٹرویو نگار: اسرار بخاری

تکبیر: حکومتی حلقوں کی جانب سے دنیا کو ابتری اور انتشار کی اس کیفیت سے محفوظ رکھنے کے لئے جس کا آغاز ان حلقوں کے بقول 90ء کی دہائی سے ہوا جس کے نتیجے میں انتہا پسندوں' دہشت گردوں اور عسکریت پسندوں کے ہاتھوں بعض افراد المناک صورتحال سے اور بالخصوص مسلمان عذاب سے گزر رہے ہیں' روشن خیال اعتدال پسندی کا نظریہ پیش کیا گیا ہے۔ آپ کے خیال میں عالمی سطح پر اس نظریہ کی پذیرائی کے کیا امکانات ہیں؟

ڈاکٹر اسرار احمد: دیکھئے جہاں تک اس حوالے سے آبزرویشن کا تعلق ہے کہ دنیا میں افراتفری ہے' بدامنی ہے' بے اطمینانی ہے' تنازعات ہیں اور پھر پورا مغرب اس وقت ایک خوف سے دوچار ہے تو یہ آبزرویشن صحیح ہے۔

تکبیر: آبزرویشن کا جہاں تک تعلق ہے یہ بالکل درست مانی جا سکتی ہے۔ روشن خیال اعتدال پسندی کے نظریہ کے حوالے سے جو تجزیہ پیش کیا گیا ہے اسے آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

ڈاکٹر اسرار احمد: میں اسی طرف آ رہا ہوں۔ 90ء کی دہائی کے بجائے بات کو 70ء کی دہائی سے شروع کرنا چاہئے جو آج کی صورت حال کا پس منظر ہے۔ جب روسیوں نے افغانستان پر حملہ کیا تو امریکہ نے اس خوف کے پیش نظر کہ اگر روس افغانستان میں قدم جمانے میں کامیاب ہو گیا تو پھر گرم پانیوں تک پہنچنے میں اسے کوئی دیر نہیں لگے گی اور بلوچستان کو روندتا ہوا گلف کے دہانے پر جا کر بیٹھ جائے گا' اس صورتحال کے پیش نظر جو ایک فطری ردِعمل افغانستان میں پیدا ہوا تھا کہ افغان قوم غلام رہنا نہیں جانتی اور اس نے مزاحمت کی اور بے سروسامانی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ امریکہ نے اسے اپنے لئے ایک سنہری موقع سمجھا کہ افغانوں کی جانوں کو استعمال کرتے ہوئے صرف اپنے پیسے اور ہتھیاروں کی مدد سے جو روسی onslaught تھی اس کو ختم کیا جائے' چنانچہ اس نے پاکستان کے ذریعہ سے بہت مدد کی۔ اس مدد سے پاکستان کے جرنیلوں نے بھی اپنے کمیشن حاصل کئے اور خوب دولت کمائی' اور پھر یہ ہوا کہ ان ہتھیاروں کی مدد سے مجاہدین نے روس کو ناکام کیا لیکن اسی زمانے میں خود امریکہ ہی میں بعض عرب اشخاص کے ذریعہ جہاد کا صور پوری دنیا میں پھونک کر عربوں کو ریکروٹ کیا۔ ان ہی میں سے ایک اسامہ بن لادن تھے۔ دوسرے عمر بن عبدالرحمان تھے اور تیسرے عبداللہ عزام تھے۔ پہلے کردار کا تعلق سعودی عرب سے' دوسرے کا مصر سے' تیسرے کا فلسطین سے تھا۔ وہ لوگ اسلام کے نام پر اور جہاد فی سبیل اللہ کے نام پر ہزاروں عربوں کو وہاں لے آئے' جنہوں نے جنگ میں حصہ لیا اور جب روسی فوجیں واپس گئیں اور اس کے نتیجے میں سوویت یونین ٹکڑے ہو گئی' تو اس کے بعد امریکہ نے افغانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ پھر دو گروپ آپس میں لڑنے لگے اور اس سے بڑی بددلی پھیلی' وہ اسلام کے نام پر آئے تھے اور اپنی جانیں بھی دے رہے تھے اور اب وہ اپنے اپنے ملکوں میں ناپسندیدہ شخصیت کے طور پر شمار ہو رہے تھے کہ وہ اپنے ملکوں میں بھی واپس نہیں جا سکتے تھے اور یہاں بھی اب ان کا کوئی رول نہیں تھا لیکن اسی اثناء میں طالبان کی تحریک اٹھی اور ان حضرات کو ایک رول مل گیا کہ اسلام کے نام پر یہاں ایک صحیح اسلامی حکومت قائم کی جائے لیکن امریکہ نے اس کے خلاف جو ردِعمل اختیار کیا اس نے ان تمام لوگوں کو امریکہ کے خلاف کھڑا کر دیا اور اس جلتی پر تیل کا کام نائن الیون کے واقعہ نے کیا۔

تکبیر: خود امریکی ذرائع ابلاغ کی تحقیقاتی رپورٹوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ نائن الیون کے واقعہ سے طالبان یا اسامہ کا کوئی تعلق نہیں ہے' پھر اس نے جلتی پر تیل کا کام کیسے کیا؟

ڈاکٹر اسرار احمد: نائن الیون کے واقعہ میں نہ اسامہ کا کوئی ہاتھ تھا نہ القاعدہ کا بلکہ یہودیوں کا' اسرائیل کا اور خود امریکی انتظامیہ کے اندر موجود اسرائیل کے جو ایجنٹ ہیں ان کی ملی بھگت سے یہ معاملہ ہوا تھا۔ ان کے پیش نظر یہ تھا کہ امریکہ کو اس پر آمادہ کر دیا جائے کہ وہ غیظ وغضب کے اندر کچھ دیکھے بغیر افغانستان اور پاکستان پر ٹوٹ پڑے۔ اس میں سے آدھے کام میں انہیں کامیابی ہو گئی اور امریکہ نے افغانستان کو تہس نہس کر دیا۔ یہ ہے اصل میں سبب' اور اس سے بھی پہلے 50 برس میں جو کچھ ہو رہا ہے اس خطے میں جس طرح یہودیوں کو لا کر بسایا گیا' دو ہزار سال سے بکھری ہوئی قوم وہاں آئی' پھر فلسطین کو تقسیم کیا گیا' لاکھوں فلسطینیوں کو گھر چھوڑ کر باہر جانے پر مجبور کر دیا گیا اور وہاں جس طرح مسلسل کشمکش چل رہی تھی۔ امریکہ نے اسرائیل کے ہر غلط اور ہر دہشت گردی والے اقدام کی پوری پشت پناہی کی' جس کی وجہ سے خاص طور سے عرب میں امریکہ سے دشمنی گویا ان کی ہڈیوں کے اندر' گودے

کے اندر شامل ہوگئی۔ یہ اصل پس منظر ہے۔

تکبیر: کیا امریکی حکام عالم عرب میں موجودہ دشمنی کے اس رجحان سے باخبر ہیں اور اگر باخبر ہیں تو اس پر ان کا ردعمل کیا ہے؟

ڈاکٹر اسرار احمد: امریکی باخبر ہیں اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے امریکہ نے جو اسکیم سوچی ہے وہ امریکی تھنک ٹینک رینڈ کارپوریشن Rand Corporation کی 80 صفحات پر مشتمل ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے اس میں امریکہ نے جو بات کہی ہے صدر پرویز مشرف نے اسی کو اب اس ملک کے اندر Sell اور اسے پروموٹ کرنے کے لئے اقدام کئے۔ چنانچہ جس طرح وہ 2001ء میں ایک ہی فون پر تاشے کی طرح بیٹھ گئے تھے اور 180 درجے کا ٹرن لے کر طالبان کے خلاف امریکہ کے بھرپور آلہ کار بن گئے تھے اب اسی طرح امریکہ کی یہ جو اسکیم ہے کہ War in Islam (اسلام کے اندر ایک جنگ) شروع کی جائے' ایک ہے War on Islam اور ایک ہے War in Islam انہیں War on Islam میں زیادہ خطرے نظر آتے ہیں۔ اور War in Islam یہ ہے کہ مسلمانوں کے باہمی طبقات کو لڑایا جائے اور اس سے ان کے اندر جو قوت ہے وہ ختم ہو جائے تو رینڈ کارپوریشن نے کہا ہے کہ ہم مسلمانوں کو چار حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک Fundamentalists یعنی بنیاد پرست جو ہمارے اصل دشمن ہیں' نمبر دو Traditionalist روایت پسند علماء یہ بھی ہمارے خلاف استعمال ہو جائیں گے۔ بنیاد پرست ان کو استعمال کر لیں گے تیسرے ہیں Modernist جو اسلام کی ایک جدید تعبیر کرنا چاہتے ہیں اور ان کو مغربی تہذیب اور مغربی اقدار کے ساتھ ہم آہنگ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو ہمیں حمایت دینی چاہئے اور ان کی ہر طرح سے مدد کرنی چاہئے۔ اور پھر آخری درجے میں سیکولر یعنی لادین عناصر ہیں اور وہ تو گویا ہیں ہی ہمارے' تو ہمیں چاہئے کہ ان کے درمیان ایک خلیج پیدا کریں کہ ایک طرف انتہا پسند اور روایت پسند ہوں جیسے کہ اس وقت پاکستان میں ان کے نزدیک جماعت اسلامی انتہا پسند ہے اور جے یو آئی روایت پسند ہے اور ان دونوں میں ایک اتحاد ہوگیا ہے اور یہ پاکستان کی تاریخ کے پس منظر میں تو ایک معجزہ ہی شمار ہوگا جو اتحاد الیکشن سے پہلے ہوا الیکشن میں قائم رہا اور الیکشن کے بعد بھی اب تک قائم ہے۔ بہرحال اس کی ایک شکل نظر آ رہی ہے اب وہ (امریکہ) سیکولرسٹ اور ماڈرنسٹ لوگوں کو چاہتے ہیں کہ منظم کر کے انتہا پسند اور روایت پسند لوگوں کے مقابلے میں کھڑا کر دیا جائے اور یہ War in Islam ہے۔ اسلام کے اندر ایک داخلی جنگ شروع ہو جائے اور اقوام متحدہ جنرل اسمبلی کا جو پروگرام ہے (Social Engineering) کہ عورتیں بالکل مردوں کے برابر شمار کی جائیں اور انہیں جسم فروشی کی کھلی اجازت ہونی چاہئے' اسے کوئی گھٹیا کام نہیں سمجھنا چاہئے' ان کا نام جنسی محنت کش ہونا چاہئے۔ اسی طریقے سے (ہم جنس شادیوں) کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے اور اگر عورت گھر کا کام کرے تو وہ پیسے مانگ سکتی ہے اور اگر بچہ پیدا کرے تو مرد سے اس کی بھی اجرت مانگ سکتی ہے۔ تو ہمارے حکمران ان چیزوں کو بھی Sell کر رہے ہیں' پروموٹ کر رہے ہیں' بڑھا رہے ہیں اور خاص طور سے یہ این جی اوز کی آسمانِ امریکہ سے ٹپکی ہوئی عورت زبیدہ جلال' وہ یہاں کے پورے کے پورے تعلیمی نظام میں سے چاہتی ہے کہ اسلام کا "ڈنک" نکال دیا جائے۔ یہ سارا کام ہو رہا ہے اور اسی پس منظر میں متذکرہ نظریہ سمیت ہمارے حکمرانوں کے اقدامات کو دیکھنا چاہئے۔

تکبیر: ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ اس وقت دنیا ایک خطرناک موڑ پر پہنچ چکی ہے اور اعلیٰ تکنیکی مہارت کے ساتھ آتش گیر مادہ تک رسائی رکھنے والے خودکش حملوں کے جنون میں مبتلا عناصر نے ایسی صورتحال پیدا کر دی ہے جس کا تدارک بہت مشکل ہوگیا ہے اور افسوسناک بات ہے کہ دہشت گردی' انتہا پسندی کے جرائم میں ملوث افراد بھی مسلمان ہیں اور ان کا نشانہ بننے والے بھی اسلام ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ غیر مسلموں میں غلط فہمی کی بنیاد پر ہی سہی ایک عمومی تاثر یہ پیدا ہو رہا ہے کہ اسلام عدم رواداری' تشدد پسندی اور دہشت گردی کا مذہب ہے۔ اس تناظر میں عالمی حالات پر نظر رکھتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ خودکش حملوں کا آغاز فلسطینیوں نے کیا تو کیا یہ سمجھا جائے کہ دنیا میں خودکش حملوں کے ذریعے دہشت گردی کے بانی فلسطینی ہیں۔ آپ اس نتیجہ خیال کی نفی کرتے ہیں یا توثیق؟

ڈاکٹر اسرار احمد: آپ نے جس نقطہ نظر کی بات کی ہے یہ اس لحاظ سے یکطرفہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کے اقدامات کا تو ذکر ہے مگر امریکہ دنیا میں جو ظلم کر رہا ہے اس کا ذکر نہیں ہے۔ ڈیزی کٹرز کا کوئی ذکر نہیں ہے' بی 52 بمبرز کا کوئی ذکر نہیں ہے' لیزر گائیڈڈ میزائل کا کوئی ذکر نہیں ہے' سوچنا یہ چاہئے کہ ایک طرف تو وہ کچھ ہوا ہے' اور دوسری طرف اس کے جواب میں ردعمل پیدا ہوا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کام فلسطین میں شروع ہوا۔ اس لئے کہ فلسطینی 50 برس سے ظلم اور تشدد کا شکار ہیں اور نیوٹن کے اصول حرکت میں سے جو تیسرا اصول ہے کہ ہر عمل کا ایک ردعمل ہے تو فلسطین میں اسرائیلیوں نے امریکیوں کی پشت پناہی سے جو ظلم کیا ہے فلسطینی اس کے سوا کیا کر سکتے ہیں۔ ادھر سے بمبرز آتے ہیں' ایف سیون' ایف 16 آتے ہیں' جنگی ہیلی کاپٹر آتے ہیں' ٹینک اور بلڈوزر آتے ہیں' فلسطینیوں کے پاس کیا ہے' زیادہ سے زیادہ پتھر یا پھر کوئی رائفل وغیرہ کہیں سے مل جاتی ہے یا کہیں سے ہینڈ گرنیڈ وغیرہ مل جاتے ہیں بس اللہ اللہ خیر صلا۔ تو اب ظاہر ہے ان کے پاس خودکش حملے کے سوا کیا چارہ ہے یہ دراصل عمل کا ردعمل ہے اور اس کو اس طریقے سے شمار کرنا غلط ہے؟

تکبیر: ظلم تو بلکہ ایسا ہی ظلم تو کشمیر میں بھی ہو رہا ہے مگر وہاں خودکش حملوں کو ذریعہ نہیں بنایا گیا؟

ڈاکٹر اسرار احمد: کشمیر میں بھی یہ ردعمل ہونا چاہئے تھا لیکن کشمیری قوم نسبتاً فطرتاً امن پسند ہے اور وہ کوئی جنگجو قوم نہیں تھی۔ لیکن یہ کہ 1979ء میں جو ایران میں انقلاب آیا تھا' اس نے پورے عالم اسلام میں ایک حوصلے اور ایک ہمت و جرأت کی فضا قائم کر دی اور پورا مغرب ڈر گیا تھا۔ نیوز ویک اور ٹائم نے مضامین لکھے۔ اس کے بعد افغانستان میں جو کچھ ہوا' کشمیر میں اس کا ردعمل ہوا اور کشمیریوں نے سوچا کہ ہم بھی اپنی آزادی کے لئے جس طرح افغانیوں نے روسیوں کو باہر نکالا' اسی طرح ہم بھی بھارتی افواج کو نکال باہر کریں۔ لیکن وہ یہ بھول گئے کہ افغانیوں کے پیچھے تو امریکہ' اس کا اسلحہ اور پیسہ تھا اور ظاہر بات ہے کہ کشمیریوں کو ایسی کوئی مدد حاصل نہیں تھی۔ پاکستان بھی کھل کر ان کی مدد پر آمادہ نہیں تھا اور اگر کوئی مدد تھی تو وہ خفیہ تھی۔ اس لئے وہاں پر بھی اب بجائے اس کے کہ کھلا مقابلہ ہو اب یہ ہی کام رہ جاتا ہے۔ حالانکہ جنرل مشرف پہلے یہ بھی کہتے رہے ہیں کہ دہشت گردی کے اصل سبب کو معلوم کرنا چاہئے۔ لیکن ان کا جو حالیہ نقطہ نظر ہے اس میں مجھے یہ بات نظر نہیں آئی۔ اسی لئے میں نے کہا ہے کہ آسمانِ امریکہ سے تازہ ترین حکم نامہ آیا ہے۔ جو تھنک ٹینک رینڈ کارپوریشن کی رپورٹ کی شکل میں آیا ہے۔ جنرل مشرف اس پر عمل کر رہے ہیں۔ اس میں اس ریاستی دہشت گردی کا سرے سے کوئی ذکر نہیں۔ اس لئے جنرل مشرف سمیت جو بھی یہ نقطہ نظر رکھتے ہیں میرے نزدیک یکطرفہ ہے۔

تکبیر: دہشت گردی کے مظاہر بدقسمتی سے عالم اسلام میں ہی نظر آ رہے ہیں۔ ایسے ممالک میں بھی جہاں آزادی کا مسئلہ نہیں ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان کا نام لیا جاسکتا ہے۔ آپ اسے کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

ڈاکٹر اسرار احمد: دہشت گردی عالم اسلام ہی میں تو ہوگی نا اس لئے کہ مغرب کا جو ٹارگٹ ہے' عالم اسلام ہے' انہیں ہندوستان سے کوئی خطرہ نہیں۔ ان کی تہذیب وہی ہے جو مغرب کی ہے۔ وہی عریانی ہے' وہی فحاشی ہے' بے پردگی ہے' شراب نوشی ہے۔ ہر وہ چیز جو مغرب میں ہے پھر یہ کہ بھارت نے ان کے سسٹم کو بھی بڑی خوبصورتی سے اپنایا ہے لہٰذا کوئی دشمنی نہیں۔ دیگر ممالک میں جہاں انہوں نے

سیکولرازم کو پوری طرح مان رکھا ہے مغرب کو کوئی خطرہ نہیں۔ انہیں خطرہ ہے اسلام کے اس تصور سے جو یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے اور اسے دنیا میں نافذ

> فلسطین میں اسرائیلیوں نے امریکیوں کی پشت پناہی کی بنا پر ظلم کیا ہے' فلسطینی جواب میں خودکش حملوں کے سوا کیا کر سکتے ہیں؟

ہونا چاہئے۔

تکبیر: کیا اس تصور کے تحت جدوجہد نے کوئی ایسی کامیابی حاصل کی جس نے امریکہ اور مغرب کے لئے خطرات پیدا کر دیئے؟

ڈاکٹر اسرار احمد: بیسوی صدی میں اس حوالے سے جو تحریکیں اٹھیں وہ کامیاب نہیں ہو سکیں۔

تکبیر: ایران کی حد تک تو میرا خیال ہے کہ کامیابی ملی ہے؟

ڈاکٹر اسرار احمد: یہ دراصل شاہ کے خلاف ایک سیاسی تحریک تھی جسے بعد میں علماء نے ہائی جیک کر لیا جس کو ہم کہتے ہیں ایرانی انقلاب' لیکن باقاعدہ جو تحاریک شروع ہوئی تھیں جیسے انڈونیشیا میں جماعت اسلامی ہے۔ ایران میں فدائین تھے۔ عالم عرب میں اخوان المسلمین تھے' ان میں سے کسی کو کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

تکبیر: ان تحریکوں کو کامیابی کیوں حاصل نہ ہو سکی؟

ڈاکٹر اسرار احمد: اس کی وجہ یہ ہے ان کا نظام کار غلط تھا' کیونکہ انہوں نے یہ نظام کار مغرب سے مستعار لیا تھا۔ حضور ﷺ کے طریقہ کار کو اختیار نہیں کیا۔ اس وجہ سے ناکام ہوئے۔

تکبیر: جب ان تحریکوں کو کامیابی ملی ہے نہ مستقبل میں کامیابی کے آثار بظاہر نظر آ رہے ہیں پھر مغرب پریشان کیوں ہے؟

ڈاکٹر اسرار احمد: دیکھئے جذبہ موجود ہے اور مغرب کو وہ جذبہ نظر آ رہا ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے ابلیس کی مجلس شوریٰ میں ابلیس کی زبان سے کہلوایا تھا۔

ہے اگر کوئی خطر مجھ کو تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

تو اوپر تو راکھ ہے' اوپر ہمارا الیٹ (Elite) طبقہ بیٹھا ہوا ہے جو امریکہ کا پجاری ہے' مغربی تہذیب کا دلدادہ ہے۔ لیکن اندر ایک انگارہ ہے کسی بھی وقت پھونک لگنے سے اس کے اندر اشتعال پیدا ہو سکتا ہے تو یہ چیز ان کو زیادہ نظر آ رہی ہے۔ بہ نسبت ہمارے اپنے حکمرانوں کے وہ اس وقت فنڈا مینٹلزم کو یعنی ان کے نزدیک جو اسلام کو مکمل نظام حیات سمجھتے ہیں اور اس نظام سیاست کو نافذ کرنا چاہیں ان کو اپنا ٹارگٹ نمبر 1 بناتے ہیں۔ روایت پسند کو وہ یہ چاہتے ہیں کہ اگر کسی طرح فنڈا مینٹلسٹ کے ساتھ نہ آئیں تو We are ready to embrace them' اسی طرح انہوں نے دراصل طالبان تحریک کو بھی Embrace کیا تھا۔ اسپانسر کیا تھا کہ یہ کٹھ ملا ہیں جیسے سعودی عرب ہماری جیب میں ہے ایسے ہی یہ بھی ہماری جیب میں ہوں گے لیکن وہاں صورتحال ان کی توقع کے برعکس ہو گئی۔ جس کے نتیجے میں اس نے طالبان کو دشمن نمبر ایک بنا لیا۔ پھر اسامہ بن لادن جو شدید ترین مخالف ہے وہ آ کر یہاں بیٹھ گیا اس لئے افغانستان کو ٹارگٹ نمبر 1 بنایا ہے۔

تکبیر: اس دشمنی کی اصل وجہ اسلام دشمنی ہے اس حوالے سے عیسائیوں اور یہودیوں کو کس خانے میں فٹ کیا جائے گا؟

ڈاکٹر اسرار احمد: اصل میں عیسائیوں کا ایک

> امریکہ کی وار ان اسلام یہ ہے کہ مسلمانوں کے باہمی طبقات کو لڑایا جائے تاکہ ان کی قوت ختم ہو جائے

طبقہ ہے جس کو پروٹسٹنٹ کہتے ہیں اور ان میں بھی وائٹ اینگلوسیکسن پروٹسٹنٹ جس کا مخفف ہے WASP ویسے تو اس کے معنی بھڑ ہے جو کاٹ لیتی ہے' یہ امریکہ اور برطانیہ کی اکثریت ہے اور یہ بالکل یہودیوں کے آلہ کار ہیں۔ باقی کیتھولک اس درجے میں آلہ کار نہیں ہیں لیکن اس وقت وہ بھی امریکہ کی بالادستی کے سامنے ہتھیار ڈالے ہوئے ہیں کہ ہم ''دہشت گردی'' کو سپورٹ نہیں کرتے یہ طریقہ کار غلط ہے۔

تکبیر: صحیح طریقہ کار کیا ہے؟

ڈاکٹر اسرار احمد: اسلام کا طریقہ کار حضور ﷺ کا اسوہ ہے۔ لیکن اب جو کچھ ہو رہا ہے یہ ایک ردعمل ہے جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے ''اللہ تعالیٰ کو بری بات بلند آوازی کے ساتھ زبان سے نکالنا بالکل پسند نہیں ہے۔ سوائے اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو۔'' چنانچہ مظلوم کے دل سے کوئی ایسی بات نکلے اور اس کی زبان پر آ جائے تو قابل معافی ہے۔ اسی طرح سے ان مظلوموں کی طرف سے یہ ردعمل ہو رہا ہے اگرچہ پسندیدہ نہیں ہے۔ یہ ہے تو برا عمل ہے' لیکن جب مظلوم کے پاس کوئی چارہ کار نہ رہے اور انہیں دیوار سے لگا دیا جائے تو پھر انہیں Condone کرنا پڑتا ہے ان کے پاس اور چارہ کار کیا ہے؟

تکبیر: یہ نقطہ نظر بھی ہے کہ ہر دردمند دل کے سامنے یہ سوال ہے کہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کے لئے کیا میراث چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں۔ اگر ہمیں اپنے آپ کو دنیا میں پسپائی اور تنہائی سے بچانا ہے تو ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم دنیا میں اس غارت گری اور ابتری کو ختم کریں اور مسلمانوں کو گرنے سے روکنے کے لئے کچھ مشکل' پیچیدہ اور بظاہر حل نہ ہونے والے مسائل سلجھانے کے لئے روشن خیال اعتدال پسندی کو اپنانا ہو گا۔

ڈاکٹر اسرار احمد: پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے اسلام کا نظام عدل چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں۔ ہم اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کو مغرب کی چاپلوسی' غلامی اور اس کے سامنے ہر طرح سے سرانداز ہو جانا اور شکست قبول کر لینا' یہ وراثت ہم نہیں چھوڑنا چاہتے۔ رہی یہ بات کہ روشن خیالی تو اس کو Define کیا جائے کہ یہ کیا ہے ہمارے نزدیک اسلام سے بڑھ کر کوئی روشن خیال فکر و عمل نہیں ہے۔ ہم تو اسی کو روشن خیالی سمجھتے ہیں لیکن اگر روشن خیالی سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے نام رکھ کر باقی اپنی تہذیب' اپنا تمدن اور اپنی اقدار کو چھوڑ کر سب کی سب مغرب کی اختیار کر لی جائیں تو یہ روشن خیالی نہیں بلکہ بدترین تاریک خیالی ہے کہ جس کی جڑ کاٹنا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام کا نظام عدل دنیا میں قائم کرنا اور اسی کام کے لئے پاکستان کا وجود تھا' جس کو بدقسمتی سے ہم بھول گئے۔ جس کی پہلی سزا ہمیں 1971ء میں ملی جب پاکستان دولخت ہوا اور ایک شرمناک شکست کی کلنک کا ٹیکہ ہمارے ماتھے پر آیا اور یہ کام اگر ہم اب بھی نہ کر سکے اور پرویز مشرف اور ان کے ہم

> نائن الیون کا واقعہ یہودیوں' اسرائیل اور خود امریکی انتظامیہ میں موجود اسرائیل کے ایجنٹوں کی ملی بھگت سے رونما ہوا

خیال لوگ یہاں اپنی من مانیاں کرتے رہے تو پھر اندیشہ ہے کہ اللہ کا آخری عذاب یہاں تک آ پہنچے۔

تکبیر: بعض حوالوں سے صورتحال میں جو سنگینی ہے اس

سلسلہ میں ایک تاثر یہ ہے کہ جہاد افغانستان کے لئے جو ساری مسلم دنیا سے "جنگجو" یہاں جمع ہوئے تھے سوویت یونین کے خاتمہ کے بعد انہوں نے اپنے دائرہ عمل کو اور وسیع کر لیا یعنی ان علاقوں کو جہاں مسلمان دباؤ میں تھے اور اس سے القاعدہ کا ظہور ا ہو؟

ڈاکٹر اسرار احمد: اصولی طور پر تو میں پہلے اس موضوع پر بات کر چکا ہوں لیکن یہ جو لفظ جنگجو ہے اس کی میں شدید مذمت کرتا ہوں۔ یہ لوگ جب آئے تھے تو اسلام کے جذبہ کے تحت آئے تھے اور اس وقت وہ امریکن اسٹریٹجی میں فٹ تھے۔ امریکہ ان کے ذریعہ بالواسطہ طور پر اپنا مقصد پورا کرا رہا تھا۔ ان کو مجاہد قرار دیا گیا تھا۔ یہ لوگ اسلام کے جذبہ کے تحت آئے تھے ورنہ سعودی عرب میں لوگوں کے پاس کس چیز کی کمی تھی کہ وہاں کا نوجوان یہاں آ کر اپنی جان دیتا' جان کس کو عزیز نہیں ہے تو یہ جنگجو نہیں تھے۔ یہ "اسلام جو" تھے۔ اسلام کی تلاش میں آئے تھے یہ اور بات ہے کہ تاریخ نے مختلف کروٹیں لیں ہیں اور امریکہ نے جو دھوکہ بازی کی اور ان کو صرف استعمال کیا ہے اس کے ردعمل کے طور پر وہ مغرب کے خلاف ہو گئے۔

تکبیر: ہمارا ایک شاندار اور پُروقار ماضی ہے اور حضور ﷺ نے اسلام تلوار کی بجائے کردار اور حسنِ اخلاق سے پھیلایا' مسلمانوں کو یہی طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے لیکن ہم نہ صرف اقتصادی' معاشی میدانوں میں پیچھے رہ گئے ہیں بلکہ دوسروں سے سیکھنے کے دروازے بھی ہم نے خود پر بند کر لئے ہیں کیا یہ ضرورت نہیں ہے کہ ہم حقائق کا جائزہ لیں اور یہ جائزہ لیں کہ کیا تصادم اور کشاکش کا راستہ ہمارے کسی کام آ سکتا ہے' کیا ان راستوں پر چلتے ہوئے ہم اپنے درخشندہ ماضی کو حاصل کر سکتے ہیں؟

ڈاکٹر اسرار احمد: جی اس سلسلے میں میری گزارش یہ ہے کہ نبی اکرمؐ نے یہاں اپنی دعوت و تبلیغ اور اپنی تربیت و تزکیہ اور اپنے ذاتی کردار اور اخلاق' اخلاقِ حسنہ سے اسلام کو پھیلایا وہیں تلوار کی قوت استعمال کر کے باطل کے نظام کو ختم کیا تو اسلام میں یہ دونوں چیزیں شامل ہیں۔ اسلام ایک طرف کسی کو جبراً مسلمان بنانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام دعوت سے' تبلیغ سے' اپنی ذاتی مثال پیش کر کے لوگوں کو دعوت دیتا ہے' البتہ غیر اسلامی نظام چونکہ اسلام کے نزدیک اللہ کے خلاف بغاوت ہے اور وہ طاغوت کے درجے میں ہے لہٰذا غیر اسلامی نظام کو ختم کرنے کے لئے تلوار استعمال کرنی لازمی ہے اور یہی اسلام میں جہاد اور قتال کا تصور ہے دونوں کام بیک وقت ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو نظر انداز کر دینا درست نہیں ہے۔

تکبیر: آج جس روشن خیالی کا ذکر کیا جا رہا ہے اس کے کچھ مظاہرہ بعض مسلمان حکمرانوں کے ادوار میں بھی نظر آتے ہیں؟

> طالبان کی اسلامی حکومت کے خلاف امریکہ نے جو ردعمل اختیار کیا' اس نے افغانستان میں موجود تمام جہادی گروپوں کو امریکہ کے خلاف کھڑا کر دیا

ڈاکٹر اسرار احمد: ایسے لوگوں کو بنو عباس کے دور کی روشن خیالی وغیرہ نظر آتی ہے تو پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ مملکت قائم کیسے ہوئی تھی وہ تو حضورؐ کے فنڈامینٹلوم سے ہوئی تھی' صحابہ کرامؓ کے فنڈامینٹلوم سے ہوئی تھی تو آج بھی امریکہ یا اس کے حواری ہمیں کیوں نہیں چھوڑتے کہ ہم اپنے ملکوں میں اپنی مرضی کے نظام قائم کریں' یہ ہمارا حق ہے الجزائر میں اگر الیکشن کے ذریعہ سے اسلامی قوتیں سامنے آ رہی تھیں تو کیوں ان کا راستہ روکا گیا' یہ کونسی جمہوریت کا تقاضا تھا' اس طرح اگر عالم اسلام میں کوئی ایسی تحریک جو چاہتی ہے کہ اپنے ملکوں میں اسلام نظام قائم کریں تو یہ ان کا حق ہے اور یہ درحقیقت ان کا حق غصب کرنے والی بات ہے کہ امریکہ ان کے اوپر جبر اور تشدد سے اپنا پسندیدہ نظام یعنی سیکولرازم اور لبرل سوسائٹی اور سود اور سرمایہ داری پر مبنی معاشی نظام مسلط کرے' یہ اس کا ارادہ ہے۔

تکبیر: اس امریکی ارادے کی راہ میں مزاحمت کرنے والے ہی تو آج ظلم و ستم کا شکار ہیں ان کا مستقبل آپ کیا دیکھتے ہیں؟

ڈاکٹر اسرار احمد: اس کے مقابلے میں ہمارا ارادہ اور خواہش دنیا میں اللہ کے نظام کو نافذ کرنا ہے اب یہ آئندہ آنے والے دن بتائیں گے کہ یہ کسی طرف جاتا ہے۔ اقبالؒ نے کہا تھا ؎

دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردیٔ مومن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

تو یہ دو تہذیبوں کا تصادم مستقبل میں کیا شکل اختیار کرتا ہے۔ یہ تو اللہ ہی کے علم میں ہے لیکن اس کے اسباب اور تاریخی پس منظر کو صحیح طور پر سمجھنے کی ضرورت ہے اس کو توڑ مروڑ کر امریکہ کی خواہش کے مطابق روشن خیالی کی شکل دینا غلط ہے۔

تکبیر: اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اسلامی کانفرنس تنظیم ایک غیر موثر ادارہ ہے جو آج تک اسلامی دنیا کے لئے کوئی قابل ذکر کام نہیں کر سکا' نہ مسلمانوں کے مفاد کے لئے اس کی اجتماعی قوت کوئی کردار ادا کر سکی ہے۔ کیا اس کی تنظیم نو مطلوب ہے زیادہ مؤثر بنانا ضروری نہیں ہے؟

ڈاکٹر اسرار احمد: میرے نزدیک اسلامی کانفرنس تنظیم زیر و جمع زیر و جمع زیر و پر مشتمل تنظیم ہے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے' نہ ان میں کوئی ہم آہنگی ہے' نہ کوئی مشترک پروگرام ہے۔ یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ کے اس عذاب میں مبتلا ہیں۔ ایک شکل ہوتی تھی کہ آسمان سے کوئی عذاب آئے' ایک یہ کہ زمین پھٹ جائے' ایک شکل یہ ہے کہ قوم کو تقسیم کر دیا جائے تو پوری دنیا میں مسلمان جو ایک امت تھی' اب قوموں میں تقسیم ہیں' ہر قوم کی اپنا ملک' اپنی ڈفلی اور راگ ہے۔ پھر ہر ملک کے اندر خاص طور سے پاکستان میں فرقوں میں تقسیم ہیں اور وہ فرقے ایک دوسرے کے باہم دست و گریبان بھی ہیں۔ یہ اللہ کے عذاب کی صورتیں ہیں اور یہ قائم رہیں گے اور بڑھیں گی جب تک ہم دنیا کے کسی سائزایبل (Sizeable) ملک میں اسلام کا نظام نافذ کر کے دنیا کو نہ دکھا دیں۔

> روس کے خلاف جہاد میں امریکہ ہی میں عرب اشخاص کے ذریعے جہاد کا صور پوری دنیا میں پھونک کر عربوں کو ریکروٹ کیا گیا

> مغرب کو اسلام کے اس تصور سے اصل خطرہ ہے کہ اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے اور اسے دنیا میں نافذ ہونا چاہئے

گھر کا بھیدی

ایوب بیگ مرزا

پاکستان کی ستاون سالہ تاریخ میں حکمرانوں کے انوکھے کارناموں کے بہت سے قصے مشہور ہوئے ان میں سے بہت سی باتیں غیر مصدقہ ذرائع سے بھی حاصل ہوتی تھیں لیکن پاکستان آج جس حالت کو پہنچ چکا ہے یہ حالت دیکھ کر دل گواہی دیتا تھا کہ جو کچھ سنا ہے بہت کم سنا ہے یقیناً ہمارے حکمرانوں کے مزید سیاہ کارنامے ہوں گے جو تاریخ کے سینے میں دفن ہوتے جارہے ہیں اور کسی مورخ کا نشتر کبھی نہ کبھی یہ کفن پھاڑ کر انہیں بے نقاب کردے گا۔ اسی بنیاد پر راقم یہ کہتا تھا اور بار بار کہتا رہا ہے کہ پاکستان ایک لحاظ سے دنیا میں سرفہرست ہے اور اس کا کوئی مد مقابل نہیں وہ یہ کہ نصف صدی کے عرصہ میں تاریخ کے طالب علم کو جو مواد پاکستان نے مہیا کیا ہے اور کوئی ملک اتنے قلیل عرصہ میں اتنا مواد مہیا نہ کرسکا۔ عوام کے خزانے سے عیش و عشرت، محلاتی سازشیں، جھوٹ، فریب، مکارانہ اور عیارانہ کارروائیاں رشوت اور عوام کے سامنے ڈرامہ بازی اور شعبدہ بازی اور حیاسوز حرکتیں حکمرانوں کی یہ سب کرتوتیں سابق آئی جی پولیس سردار محمد چودھری نے اپنی کتاب ''جہان حیرت'' میں اکٹھی کی ہیں یہ تو یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ چودھری صاحب نے جو کچھ لکھا ہے صد فیصد درست ہوگا لیکن کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ تاثر ملتا ہے کہ بحیثیت مجموعی انہوں نے غیر جانبداری اور سچائی سے واقعات کو بیان کیا ہے۔ ان میں سے چند واقعات یہاں نقل کئے جارہے ہیں یہ راز گھر کے بھیدی نے منکشف کئے ہیں۔ یاد رہے انہوں نے محض وہ واقعات سنائے ہیں جو ان کے دوران ملازمت پیش آئے۔ یا دوران ملازمت ان کے علم میں آئے خاص طور پر یحییٰ خان، بھٹو اور ضیاء الحق کے دور کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں 1965ء کی جنگ بڑے زوروں پر تھی یحییٰ خان چھمب جوڑیاں کے محاذ پر پاکستان کی فوج کی کمان کر رہے تھے۔ پاکستان جب زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا تو پاکستان کا یہ جرنیل ہر شب اپنے خصوصی ہیلی کاپٹر میں پرواز کر کے گجرات میں اقلیم اختر رانی جو بعد ازاں جنرل رانی کے نام سے مشہور ہوئی کے ہاں داد عیش دیتا تھا۔ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ایوب خان نے اپنے بنائے ہوئے آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے صدر پاکستان کے عہدہ سے سبکدوش ہوتے ہوئے حکومت کی باگ ڈور اپنے کمانڈر انچیف یحییٰ خان کے حوالے کردی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یحییٰ خان نے جب ایوب خان کو اپوزیشن کی تحریک کے سامنے بے بس پایا تو اقتدار بندوق کی نوک پر چھین لیا اور وہ تحریک کے آغاز ہی میں اس کے لئے منصوبہ بندی کررہے تھے اور شیخ مجیب الرحمٰن کو جب رہا کیا گیا تو وہ مسلسل ان سے رابطہ میں رہے۔ مارشل لاء کے دوران فوجیوں کو زرعی زمین الاٹ کرنے کا کام انتظامیہ کی اصل ذمہ داری سمجھی جاتی تھی۔ ایک فوجی افسر کو قصور میں زمین الاٹ ہوئی جب پولیس وہاں قابض مزارعین کو بے دخل کرنے لگی تو عورتیں رو رو کر اور چیخ چیخ کر احتجاج کرنے لگیں کہ ہم سکھوں کے دور سے یہاں آباد ہیں ان فوجیوں سے تو سکھ بہتر تھے۔ ہمیں اگر بے دخل کرنا ہے تو پھر ہمیں انڈیا دھکیل دیں ہمیں وہاں بہتر سلوک کی توقع ہے اس واویلہ سے پولیس کے دل بھی پسیج گئے انہوں نے فوجی افسر کو صورت حال سے آگاہ کیا جس کا جواب تھا ''ایسے غیر محب وطن عناصر کو جیلوں میں ڈال دینا چاہئے''۔

یحییٰ خان کے دور میں ایک بنگالی عورت بلیک بیوٹی کے نام سے مشہور ہوئی تھی صدر مملکت مسلسل تین دن اس عورت کے گھر رہے چوتھے روز جب باہر آئے تو اس عورت کو صدارتی محل کی اندرونی آرائش کے لئے مستقل ملازم رکھ لیا گیا اور اس کے خاوند کو سوئٹزرلینڈ کا سفیر بنا دیا گیا۔

یحییٰ خان نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے یہ حکم بھی جاری کیا کہ پشاور کے گورنر ہاؤس کے جس کمرہ میں ملکہ الزبتھ اپنے دورے کے دوران ٹھہری تھی اس کمرہ میں مارشل لاء کے حکم کے تحت رفیق سہگل اور اقلیم اختر رانی (جنرل رانی) رات گزاریں گے یہ حکم رانی کی فرمائش پر جاری کیا گیا اور رفیق سہگل سے جبراً اس پر عمل درآمد کرایا گیا۔ شاہ ایران کو اپنے دورہ کے اختتام پر کراچی سے رخصت ہونا تھا انہیں تاخیر ہو رہی تھی یحییٰ خان اپنی خواب گاہ سے باہر نہیں آرہے تھے آخر رانی کو خواب گاہ میں داخل کیا گیا وہ ملک کی مشہور گلوکارہ کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں تھے رانی انہیں کپڑے پہنا کر باہر لائی اور شاہ ایران کی رخصتی کا مسئلہ حل ہوا۔ یحییٰ خان مرغابی کا شکار کیلئے سردار یوسف چانڈیو کے ہاں ٹھہرے۔ صدر کے گن مین نے چوہدری سردار محمد کو بتایا کہ یوسف چانڈیو کہہ رہا تھا ''سائیں اب کیا ہوگا ایک طرف وہ سور اور خبیث (مجیب الرحمٰن) آ گیا ہے اور دوسری طرف ایک ذلیل اور کمینہ انسان (بھٹو) اکثریت حاصل کر گیا ہے''۔ یحییٰ خان نے کہا ''فکر نہ کرو ایسا دانہ پھینکوں گا کہ یا تو سور شکاری کتے کو پھاڑ ڈالے گا یا شکاری کتا سور کو مار ڈالے گا۔ شیر نے ان دونوں کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنالیا ہے''۔ یعنی مجیب کو سور بھٹو کو کتا قرار دے کر خود کو یحییٰ خان شیر قرار دے رہا تھا۔ اور یحییٰ خان کے شیر ہونے کا یہ عالم تھا کہ پاکستان کے دولخت ہونے کے بعد یحییٰ خان نے فوجی افسروں کا ایک بڑا اجلاس طلب کیا تا کہ انہیں مطمئن کیا جاسکے۔ پولیس کو یہ اطلاع ملی کہ بعض جونیئر افسر پاکستان کی شکست پر انتہائی مشتعل ہیں اور وہ دوران میٹنگ کوئی ہنگامہ کھڑا کرسکتے ہیں بلکہ عین ممکن ہے کہ دوران اجلاس صدر مملکت پر حملہ ہو جائے۔ یہ اطلاع انٹیلی جنس چیف تک پہنچی تو طے یہ ہوا کہ آرمی چیف جنرل اے حمید اجلاس سے خطاب کریں گے پھر وہی کچھ ہوا جونیئر آفیسر نے ایسا رویہ اختیار کیا کہ جنرل حمید اجلاس چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ چند دن کے اندر یحییٰ خان سے جان چھوٹ گئی اور بھٹو سول چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے برسر اقتدار آ گئے۔

یحییٰ خان کے شیر ہونے کا ایک اور واقعہ بہت دلچسپ ہے چوہدری صاحب لکھتے ہیں: سابق صدر کو حمود الرحمٰن کمیشن کے سامنے پیش کرنا میری ذمہ داری تھی مجھے اس مقصد کے لئے ایک ہیلی کاپٹر اور دو گاڑیاں مہیا کی گئیں۔ میں انہیں ہیلی کاپٹر پر لاتا اور واپس لے جاتا ایک روز وہ ضد کر بیٹھے کہ سڑک کے ذریعے جاؤں گا۔ میں نے انہیں گاڑی پر بٹھا کر سفر شروع کیا ہی تھا کہ انہوں نے مطالبہ کیا کہ انہیں راولپنڈی ان کے گھر لے جایا جائے میں نے کہا کہ یہ میرے لئے ممکن نہیں اور کھاریاں سے سہالہ ریسٹ ہاؤس کی طرف سفر جاری رکھا۔ جب راولپنڈی جانے کا مطالبہ شدید ہوا تو میں نے غصہ سے کہا کہ عوام کی نظر آپ پر پڑ گئی تو وہ آپ کا تکہ بوٹی کردیں گے۔ معصومیت کی انتہا دیکھیں یحییٰ خان کہتے ہیں عوام میرے خلاف کیوں ہوں گے میں نے کیا کیا ہے؟ میں نے کہا پاکستان کیسے ٹوٹ گیا کون اس کا ذمہ دار ہے؟ فوری بولے یہ سب کچھ سیاست

دانوں کی وجہ سے ہوا ہے میرا کوئی قصور نہیں اتفاق سے ہماری گاڑی کو ایک ریلوے کراسنگ پھاٹک پر رکنا پڑ گیا۔ یہ ایک ویران جگہ تھی لیکن جو چند لوگ موجود تھے انہوں نے اسے پہچان لیا اور ہماری گاڑی کو اینٹیں مارنی شروع کر دیں یہ تو خدا کا شکر ہے کہ پھاٹک جلد کھل گیا اور ہم گاڑی بھگا کر نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس پر میں نے یحییٰ خان سے کہا کہ میں آپ کو راولپنڈی لے چلتا ہوں اور ہم راجہ بازار میں سے گزریں گے۔ اس پر اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور کہنے لگا کہ نہیں نہیں میں راولپنڈی نہیں جانا چاہتا۔ میں نے کہا کہ نہیں چلیں اس پر وہ شیر میری منتیں کرنے لگا کہ اسے راولپنڈی نہ لے جایا جائے۔

بہر حال حمود الرحمٰن کمیشن کے سامنے تمام جرنیلوں نے جو بھارت سے جنگ کے دوران بھی دادِ عیش دیتے رہے اور قبضہ گروپ کی کارروائیاں بھی جاری رہیں۔ انہوں نے یہ متفقہ موقف اختیار کیا کہ پاکستان سیاست دانوں کی غلطیوں کی وجہ سے دولخت ہوا ہے۔ اندازہ کریں کس قدر مضحکہ خیز بات ہے شاید قارئین کے لئے ہنسی روکنی مشکل ہو جائے سردار محمد چوہدری لکھتے ہیں کہ دوران جنگ بریگیڈیئر عطا محمد ان کے پاس آئے اور بڑی رازداری سے کہنے لگے کہ مجھے مشرقی پنجاب کا گورنر مقرر کیا جا رہا ہے اور تم تیار رہو میں تمہیں امرتسر کا ایس پی بناؤں گا اور تمہیں صرف 2 گھنٹے کے نوٹس پر امرتسر پہنچنا ہوگا۔

ذوالفقار علی بھٹو کے بارے میں چوہدری سردار محمد کوئی نئی خبر نہیں سنا سکے۔ اور جو کچھ انہوں نے بیان کیا ہے وہ سب باتیں پہلے ہی عوام کے علم میں تھیں۔ راقم کی رائے میں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بھٹو اور جماعت اسلامی کے درمیان ایک دن بھی مفاہمت نہ ہو سکی اور جماعت اسلامی کے پاس اتنے ذرائع ہمیشہ رہے ہیں کہ وہ حکومت کے اندر کی خبر جلد از جلد حاصل کر لیں لہٰذا جو برائیاں بھی بھٹو حکومت سے سرزد ہوتیں وہ فوراً مختلف ذرائع سے عوام تک پہنچ جاتیں لہٰذا ان تمام باتوں کا اعادہ غیر ضروری ہے۔ مثلاً سرحد اور بلوچستان کی حکومتیں ختم کرنے کے لئے عراق کے سفارت خانہ سے اسلحہ برآمد ہونا۔ ایف ایس ایف کی تشکیل جسے بھٹو نے نجی فوج کے طور پر استعمال کیا۔ لیاقت باغ فائرنگ کیس' آزاد کشمیر میں قائم کئے جانے والا رسوائے زمانہ دلائی کیمپ۔ اور بہت سے آمرانہ اقدام کا ذکر کیا گیا۔ مصطفیٰ کھر کے بارے میں اس کتاب کے حوالہ سے چوہدری صاحب نے ایک ٹیلی ویژن انٹرویو میں کہا ہے کہ اگرچہ وہ ایک عیاش اور عورتوں کی بے پناہ حرص رکھنے والا شخص تھا لیکن سمن آباد سے دو لڑکیاں اغوا کر کے گورنر ہاؤس لے جانے والا واقعہ بالکل غلط تھا در حقیقت ان عورتوں نے ایک پٹھان کی رقم ہڑپ کر لی تھی وہ انہیں اغوا کر کے صوبہ سرحد اور غالباً علاقہ غیر میں لے گیا جب یہ اغوا افواہوں کی بنا پر کھر کے سر منڈھ دیا گیا تو اس نے سرحد حکومت کو فون پر مجبور کیا کہ جیسے بھی ممکن ہو ان عورتوں کو وہاں سے برآمد کر کے لاہور بھیجا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

جنرل ضیاء الحق کے بارے میں چوہدری صاحب نے جو اہم واقعات درج کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک کینہ پرور شخص تھا۔ انسپکٹر جیسے معمولی عہدہ کے آدمی کی پوسٹنگ اور تنزلی میں بھی ملوث ہو جاتا تھا جس روز خانہ کعبہ پر حکومت دشمن عناصر نے قبضہ کیا تھا ریڈیو تہران نے خبر اڑا دی کہ ان لوگوں کو امریکہ کی پشت پناہی حاصل تھی لہٰذا اسلام آباد میں آناً فاناً ایک ہجوم نے امریکی سفارت خانہ کو آگ لگا دی لیکن پولیس ہجوم کو اس لئے کنٹرول نہ کر سکی کیونکہ ضیاء الحق اس روز غریب عوام سے یکجہتی کا مظاہرہ کرنے کے لئے سائیکل چلانے کا مظاہرہ کر رہے تھے اور علاقہ کی تمام پولیس ان کی حفاظت پر مامور تھی۔ ان دنوں میں ایک باخبر اندرونی ذرائع نے یہ خبر بھی دی تھی کہ جس قدر وسائل ضیاء الحق کے سائیکل چلانے کے مظاہرے پر خرچ ہو گئے ہیں اس سے کئی گاڑیاں خریدی جا سکتی تھیں۔

بھٹو سے انصاف کے حوالہ سے ضیاء الحق نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ رسہ ایک ہے اور گردنیں دو لہٰذا یہ کسی ایک کی گردن میں ضرور پڑے گا یعنی اگر میں نے بھٹو کو زبردستی پھانسی نہ دی تو مجھے پھانسی پر چڑھا دیا جائے گا لہٰذا وہ ہر صورت بھٹو کی موت کا فیصلہ سننا چاہتے تھے۔ چاہے یہ ایک مقدمہ میں مقصد حاصل ہو یا دوسرے میں۔ سردار صاحب نے ان افواہوں کی بھی تصدیق کی کہ بھٹو اور قومی اتحاد میں معاملات طے پا چکے تھے لیکن ضیاء نے ہوس اقتدار میں مارشل لاء لگا دیا۔ وہ ضیاء کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان کے نام کا مطلب روشنی ہے لیکن وہ تاریکی اور اندھیرا پھیلانے کا باعث بنے۔ مولانا مودودی نے بھی بھٹو کو پھانسی دینے کی حمایت کی اور کہا کہ پیپلز پارٹی بھٹو کی وجہ سے قائم ہے جونہی بھٹو ختم ہوا پاکستان پیپلز پارٹی بھی ختم ہو جائے گی۔ بھٹو کو پھانسی دینے کے بعد جنرل ضیاء کو قومی اتحاد (A.N.P) کی کوئی ضرورت نہیں تھی لہٰذا اس میں شکست و ریخت کا عمل شروع ہوا اور بہت جلد پایہ تکمیل کو پہنچا۔ حدود آرڈیننس کے بارے میں انہوں نے اس کتاب میں بھی لکھا ہے اور ٹیلی ویژن انٹرویو میں بھی بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر جب امریکہ سے امداد بند ہو گئی تو ضیاء صاحب نے ایک اعلیٰ سطحی میٹنگ بلائی' میں ان کے سٹاف ممبر کی حیثیت سے شامل ہوا۔ اس میٹنگ میں بیرون ملک امداد حاصل کرنے پر خوب بحث ہوئی اور یہ طے ہوا کہ کوئی اسلامی قانون پاس کر کے سعودی عرب سے رقم اینٹھی جائے۔ چنانچہ حدود آرڈیننس اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے منظور کیا گیا تھا۔ ضیاء الحق کی حادثاتی موت کے بارے میں وہ واضح طور پر اشارہ دیتے ہیں کہ فوج کا ایک بڑا حصہ سازش میں ملوث تھا۔ اس روز ایئر پورٹ پر کسی سویلین کو سیکورٹی کی ڈیوٹی نہیں کرنے دی گئی اور پولیس کو یہ کہہ کر واپس بھیج دیا گیا کہ تمہاری ضرورت نہیں۔ ان کی کتاب سے مزید بہت سے واقعات نوٹ کئے جا سکتے ہیں جس سے ہمارے حکمرانوں کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ چاہے وہ سیاست دان ہوں یا سول اور ملٹری بیوروکریسی سے تعلق رکھتے ہوں کس ذہنیت کے مالک تھے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم اپنی ناکامیوں سے کوئی سبق سیکھنے کو تیار نہیں آج بھی اقتدار کی غلام گردشوں میں وہی سازشیں ہو رہی ہیں عوام کی زندگی میں بہتری لانا اور ملک کو مضبوط و مستحکم بنانے کا معاملہ آج بھی کسی کی ترجیح نہیں ہے۔ آخر میں ڈاکٹر نذیر احمد جو چوہدری سردار محمد کے استاد اور میرے طالب علمی کے زمانے میں گورنمنٹ کالج کے پرنسپل تھے ان کا قول کتاب سے نقل کر رہا ہوں:

"ایسا لگتا ہے جیسے ہماری روح وسوسوں اور جھوٹی باتوں کو فروغ دینے سے زخمی ہو گئی ہے۔
اخلاقی بنیاد زنگ آلود ہو جائے تو ملک کی سلامتی کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ تعفن اور اخلاقی بگاڑ نے سارے جسدِ سیاست کو مفلوج کر دیا ہے۔
ملک کی حفاظت کے ذمہ دار ہی اسے تباہ کرنے پر تل گئے ہیں"۔

منتخب تحریکی نظم

"ادب! اے جوشِ غم!"

—— ماہر القادری ——

محبت عرش و گردوں ساز بھی ہے
محبت فرشِ پا انداز بھی ہے!
خموشی پردہ دارِ راز بھی ہے
یہی ظالم مگر غماز بھی ہے!
ادب اے جوشِ غم! جوشِ تمنا!
حریمِ دل! حریمِ ناز بھی ہے!
یہی انجام کا مارا ہوا دل
ہلاکِ عشرتِ آغاز بھی ہے
سکوتِ لالہ و گل پر نہ جانا
اسی میں شعلۂ آواز بھی ہے

(انتخاب: قاضی عبدالقادر)

میرے آئینہ افکار میں

ڈاکٹر میاں طاہر ابرار

ابوغریب جیل میں عراقی قیدیوں پر توڑے جانے والے ''مہذبانہ'' مظالم نے ایک دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ کیا یہ ایک عظیم الشان تہذیب کے کھنڈر ہونے کی علامت ہے یا ایک خونخوار ریچھ نے شروع ہی سے میمنے کا نقاب اوڑھ رکھا تھا؟ ہمارے یہاں کے بہت سے دانشور جن کی دانشوری امریکہ کے حقوق انسانی کا پاسدار ہونے پر چلتی ہے جو اس کے لبرل ازم اور شہری آزادیوں پر مبنی تصورات کا جھانجن بجاتے نہیں تھکتے تھے اب اس مخمصے سے دوچار ہیں کہ اپنی دانشوری کی شکست تسلیم کریں یا بے حیائی کے ساتھ زندہ رہیں۔ ان میں اکثریت انگریزی زبان کے ان لکھاریوں کی ہے جو مسلمانوں کو تنگ نظر' جاہل اور متعصب قرار دینے میں ایک نوع کی تسکین پاتے تھے۔ امریکی تہذیب کا دفاع کرنے کے لئے اب کون آگے آئے گا اور کس طرح سے یہ کام سرانجام دے گا' تاریخ کی چشم نگراں انتظار میں ہے۔ عدل و انصاف کے جسد پر جو گھاؤ لگائے گئے ان سے بہنے والا لہو کب سیل رواں بن کر یلغار کرنے والا ہے۔ اس کے بارے میں کچھ اندازہ ہی لگایا جاسکتا ہے لیکن فوری دلچسپی کے کچھ سوالات ہیں جن کی طرف لوگوں کی توجہ ابھی پوری طرح مبذول نہیں ہوتی۔

مثلاً امریکہ کے صدارتی الیکشن قریب آنے کے ساتھ ہی عالمی میڈیا کو ایسی خبریں کون فراہم کر رہا ہے جو بش گورنمنٹ کے قدموں تلے سے زمین نکال رہی ہیں۔ تقریباً دو ماہ قبل ہانس بلکس کو میڈیا پر پیش کیا گیا۔ بلکس نے صاف طور پر کہہ دیا کہ عراق کے پاس ایسے کوئی ہتھیار نہ تھے جن کی بنیاد پر بش حکومت کی عراق کے خلاف لشکر کشی کو جائز سمجھا جاسکے۔ چند ہفتوں بعد یورپی یونین کی طرف سے سٹیل کے مسئلے پر امریکہ کے خلاف پابندیوں کی خبر سنی گئی۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ گیارہ ستمبر کے واقعہ سے متعلق خفیہ دستاویزات منظر عام پر لے آئی گئیں جن میں انکشاف کیا گیا تھا کہ بش حکومت کو دہشت گردی اور تخریب کاری کے متوقع حادثات کے بارے میں مطلع کر دیا گیا تھا جبکہ حکومت اس امر سے انکاری تھی۔ ساتھ ہی کنڈولیزا رائس کے بیانات بھی سامنے لے آئے گئے جن میں مندرجہ ذیل دستاویزات کی تصدیق موجود تھی۔ اسی تسلسل میں ابو غریب کی جیل کے اندر کئے جانے والے تشدد کی فلمیں میڈیا پر دکھائی جانے لگیں اور یہ سلسلہ ابھی تک ختم نہیں ہوا۔ اسی کے پہلو بہ پہلو عراق میں مقتدیٰ الصدر کے حامیوں کا ظہور ہوا اور امریکی سپاہیوں کے تابوت میڈیا پر دکھائے گئے جس کے بارے میں پینٹاگون کو ایک میٹنگ بلا کر حالات کی سنگینی پر غور کرنا پڑا۔

کیا یہ سب معاملات واضح طور پر اشارہ نہیں کر رہے کہ عالمی میڈیا منیجرز کے ذریعے بش گورنمنٹ کے خلاف ایک بھرپور مہم چلائی جارہی ہے جو اس سال ہونے والے صدارتی انتخابات میں جان کیری کا راستہ صاف کر رہی ہے۔

تیل کی قیمتوں میں حالیہ اضافہ بھی اسی مہم کا حصہ دکھائی دیتا ہے۔ عراق پر لشکر کشی کے پس منظر میں سستے تیل کی امید بھی بش گورنمنٹ نے کاشت کر رکھی تھی لیکن یہاں بھی اس کی راہ میں کانٹے اُگ آئے ہیں۔ آنے والے چار ماہ میں معلوم نہیں ابھی اور کون کون سے انکشافات ہونے والے ہیں۔

یاد رہے کہ پچھلے سال ستمبر میں کان کن (میکسیکو) میں ہونے والی **WTO** کی کانفرنس اس وجہ سے ناکام ہو کر ملتوی ہوگئی تھی کہ بش گورنمنٹ نے کسانوں کو دی جانے والی سبسڈی روکنے سے انکار کر دیا تھا۔ اعلان کیا گیا تھا کہ یہ کانفرنس اب دسمبر میں منعقد ہوگی۔ لیکن تاحال اس کانفرنس کا انعقاد ممکن نہیں ہوسکا اور یوں **WTO** کا نفاذ موخر ہو رہا ہے۔

اس سلسلے میں ایک اور نکتہ بھی اہمیت کا حامل ہے۔ فلسطینیوں کے فدائی حملوں کو روکنے کی ٹیکنالوجی اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ ان کے گھروں کو مسمار کر کے انہیں اس علاقے سے نکال باہر کیا جائے اور وہاں باڑ لگا دی جائے یا دیوار بنا دی جائے۔ **Intermixing** ختم کر کے بھی فدائی حملوں سے چھٹکارا ممکن ہے۔ جبکہ صدر بش فلسطینی ریاست کے وجود پر اصرار کر رہے ہیں۔ اسرائیل کی سپریم کورٹ نے فلسطینیوں کے گھروں کو مسمار کرنے پر عارضی پابندی کو حال ہی میں ختم کر دیا ہے۔ لیکن بش گورنمنٹ کی طرف سے اسرائیل کو اس معاملے میں فری ہینڈ نہیں دیا جا رہا۔ کیا متذکرہ بالا دونوں وجوہات آئندہ الیکشن میں بش کا راستہ روکنے کے لئے اسرائیل کے حق میں کافی جواز کی حیثیت نہیں رکھتیں۔

جان کیری مسلم ورلڈ کے بارے میں صدر بش سے زیادہ جارحانہ سوچ رکھتے ہیں۔ لیکن عراق پر بش حکومت کی لشکر کشی کے خلاف ان کے بیانات ریکارڈ پر ہیں۔ مقتدیٰ الصدر کے حامیوں کے ہاتھوں امریکی فوجیوں کی ہلاکت اور میڈیا پر ان کی تشہیر صدر بش پر اس دباؤ کی صورت میں سامنے آ رہی ہے کہ عراق کے معاملات اقوام متحدہ کے ہاتھوں میں دیے جائیں۔ بش گورنمنٹ ایسا کرسکے یا نہ کر سکے' جان کیری کے صدر بن جانے کی صورت میں ایسا ہو جانا بالکل منطقی ہوگا۔ اور عراق پر اقوام متحدہ کی گرفت گریٹر اسرائیل کے قیام کے مقاصد کے عین مطابق ہے۔ عراق کا بڑا حصہ بنی اسرائیل کے دعویٰ کے مطابق ان کی ارضِ موعود ہے۔ اسے امریکہ کے ذریعہ وہ فتح کر چکے ہیں۔ اب اس کا قبضہ لینے کے لئے وہاں سے امریکی فوج کا انخلاء انہیں درکار ہے۔ یہ ہدف اقوام متحدہ کے ذریعے حاصل کرنے کا مرحلہ شروع ہو چکا ہے۔

دوسری طرف سعودی عرب میں تیل کمپنیوں کے ملازمین پچھلے دو تین سال میں بڑے بڑے قطعات اراضی خرید چکے ہیں۔ تقریباً دو ہفتے قبل سعودی شوریٰ کا فیصلہ بھی سامنے آ چکا ہے۔ جس کے مطابق 10 سال کا قیام رکھنے والے غیر ملکیوں کو سعودی عرب کے شہری حقوق دے دیئے جائیں گے۔

یاد رہے کہ گریٹر اسرائیل کے مجوزہ نقشے میں حجاز کا مدینہ منورہ تک کا علاقہ بھی شامل ہے۔ پزل کے حصے جوڑنا اب زیادہ مشکل نہیں۔ سعودی عرب میں بلدیاتی انتخابات ستمبر یا اکتوبر میں ہونے والے ہیں۔ گویا عالمی بینکروں کے کھل کھیلنے کے لئے میدان ہموار ہو چکا ہے۔ دو سال قبل یہ شاہی فرمان بھی جاری ہو چکا ہے کہ ولی عہد شہزادہ عبداللہ کے بعد سعودی عرب میں آئینی بادشاہت کے دور کا آغاز ہو جائے گا۔

گویا عظیم تر اسرائیل کی حقیقت منظر عام پر آنے میں صرف پردہ اٹھنے کی دیر رہ گئی ہے اور امریکہ کے صدارتی انتخابات کے بعد یہ پردہ بھی اٹھ جائے گا۔ اگر جان کیری صدر منتخب ہو جاتے ہیں تو فلسطینی بستیوں کو مسمار کرنے کے لئے اسرائیل کو فری ہینڈ دینے' ٹیمپل کی تعمیر' عراق سے امریکی فوج کے انخلاء اور اسے اقوام متحدہ کے سپرد کرنے' امریکہ میں کسانوں کو دی جانے والی سبسڈی روکنے' انسانی کلوننگ کی اجازت' اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان نیٹ ورک کے خلاف انتہائی ایکشن لینے جیسے فیصلے جلد ہی عمل میں آنے کا قوی امکان ہے۔

روشن خیال اعتدال پسند اسلام؟

محمد سمیع

علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقے میں ایک اسلامی ریاست کا قیام تقدیر مبرم ہے اور اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ عرب امپریلزم کے دور میں اسلام کے رخ روشن پر جو پردے پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر اصل اسلام کو دنیا کے سامنے لایا جائے۔ پاکستان کے قیام کے بعد بظاہر ہمارے لئے یہ کام بڑا آسان تھا کیونکہ عرب امپریلزم کے دور میں اسلام کی چھ منزلوں یعنی عقائد، عبادات، رسومات، معاشرت، معیشت اور سیاست میں سے صرف سب سے اونچی منزل یعنی اسلام کا سیاسی نظام یا دوسرے الفاظ میں نظام خلافت زمیں بوس ہوا تھا۔ باقی اسلامی شریعت کسی نہ کسی حد تک نافذ تھی اور شریعت سے انحراف اس دور میں اتنا آسان نہ تھا جتنا کہ آج ہے۔ پرعظمت رجال دین کی موجودگی میں حکمرانوں کے لئے ایسا کرنا کچھ آسان نہ تھا۔ اس کی روشن مثالیں اگر امام ابن حنبلؒ کی صورت میں موجود تھی جنہوں نے خلق قرآن کے فتنہ کے آگے سر جھکانے سے انکار کر دیا اور ہر قسم کا تشدد برداشت کیا تو امام ابوحنیفہؒ جنہوں نے وقت کے حکمرانوں کے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا تھا کہ وہ قاضی القضاۃ کا منصب سنبھال لیں اور نتیجتاً قید و بند کی حالت میں اس دنیا سے کوچ کیا۔ امام ابن تیمیہؒ، ابن جوزیؒ، عبداللہ ابن مبارکؒ اور ان جیسے دیگر علماء حق کی موجودگی میں حکمرانوں کو اللہ کے دین سے سرکشی کی جراءت نہ ہوتی تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ عوام ان کی پشت پر ہیں اور ایسی کسی کوشش کے نتیجے میں عوام میں بغاوت پھیل جانے کا شدید اندیشہ تھا۔ لیکن ہم نے کیا کیا؟ عرب امپریلزم کے دور میں اسلام کے رخ روشن پر صرف پردے ہی پڑے تھے ہم نے تو اس پر علاقائیت، لسانیت، مذہبی فرقہ واریت وغیرہ کے اتنے غلاف ڈال دیئے کہ اب اسے پہچاننا بھی ممکن نہ رہا۔ علامہ اقبال نے تو صرف وضع و تمدن کے اعتبار سے ہمیں یہود و ہنود سے تشبیہ دی تھی، آج تو حال یہ ہے کہ ہماری معاشرت، معیشت اور سیاست سب ہی مغرب کے تابع ہو گئے ہیں۔ عالم اسلام مختلف مغربی سامراج کے چنگل سے آزاد تو ہو گیا ہے لیکن ان کا ریموٹ کنٹرول آج بھی ان کے ہاتھ میں ہے۔ ہمارے ملک کی معیشت آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ ہماری اپنی کوئی معاشی پالیسی نہیں۔ جیسی پالیسی بنا کر یہ ادارے ہمیں دے دیتے ہیں، ہم انہیں اپنے ملک میں نافذ کرنے پر مجبور ہیں۔ ہماری رکنیت دولت مشترکہ میں مشروط طور پر بحال بھی ہوئی ہے تو اس لئے کہ ہم نے اپنے آقاؤں کے نظام کو اپنے ملک میں ان کے حسب منشاء اب تک نافذ نہیں کیا۔ سوشل انجینئرنگ کے نام پر ہمارے ہاں بتدریج قاہرہ، بیجنگ اور بیجنگ پلس فائیو کے ایجنڈوں کو نافذ کیا جا رہا ہے۔ مغرب کی مالی امداد پر چلنے والی این جی اوز کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہے اور وہ ہمارے معاشرے کو کس طرح کھوکھلا کرنے میں مصروف ہیں ان کی مثالیں آئے دن اخبار کی خبروں کی صورت میں ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں۔ لیکن اتنا کچھ ہونے کے باوجود مغرب ہم سے مطمئن نہیں۔ اس کا اندازہ اس رپورٹ سے لگایا جا سکتا ہے جو ایک امریکی تھنک ٹینک نے اس شان سے جاری کی ہے کہ ہمارے خلاف سازشوں پر مشتمل یہ رپورٹ ہمارے ہاں کھلے عام دستیاب ہے۔ کیونکہ انہیں یقین ہے کہ رپورٹ کی کھلے عام دستیابی سے ہم متنبہ نہیں ہوں گے بلکہ ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اس رپورٹ سے متاثر ہو کر اپنا دست تعاون ان کی طرف بڑھائیں گے کیونکہ گزشتہ 57 برسوں میں انہوں نے اس کے لئے اچھا خاصا ہوم ورک کر لیا ہے۔ اس رپورٹ کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس سیاسی اسلام سے خائف ہیں جس کے نفاذ کے لئے عالم اسلام میں احیائی تحریکیں کام کر رہی ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو چار گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ جس میں سب سے پہلے نمبر فنڈا منٹلسٹ (بنیاد پرست) مسلمان ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ مسلمان وہی ہیں جو یا تو اسلام کی احیائی تحریکوں میں شامل ہیں یا پھر کم از کم ان کے حلقہء ہمدرداں میں شامل ہیں۔ دوسرے نمبر پر انہوں نے ٹریڈیشنلسٹ یعنی روایتی مسلمانوں کو رکھا ہے جن سے ان کو اتنا خطرہ نہیں لیکن انہیں اس بات کا احساس ضرور ہے کہ ان روایتی مسلمانوں کی صفوں میں ایسے عناصر موجود ہیں جو بنیاد پرستوں کی حمایت کرتے ہیں۔ ان کا ایجنڈا یہ ہے کہ ان دونوں گروہوں کے درمیان فاصلے پیدا کرنے کے لئے انہیں آپس میں لڑاؤ۔ تیسرے نمبر پر انہوں نے سیکولر مسلمانوں کو رکھا ہے جو ان کے اس فلسفے سے متاثر ہیں کہ مذہب اور سیاست دو الگ الگ شعبے ہیں اور مذہب جو کہ انسان کا انفرادی معاملہ ہے، اجتماعی سطح پر اس کا کوئی رول نہیں۔ لیکن سب سے زیادہ مسلمانوں کے جس گروہ کو وہ پسند کرتے ہیں ان کو انہوں نے ماڈرنسٹ کا نام دیا ہے یعنی جدیدیت کے ہمنوا۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف انہیں موخر الذکر دو گروہوں کو اپنا آلۂ کار بنانا ہے۔ انہوں نے یہ طے کیا ہے کہ بنیاد پرست مسلمانوں کے فلسفہ و فکر کی نفی کرنی ہے اور ان کی زیادہ سے زیادہ کردار کشی کرنی ہے، اور مسلمانوں کے دیگر گروہوں کی میڈیا سے پوری حمایت کرنی ہے۔ ان کے لٹریچر کو طبع کر کے پوری دنیا میں پھیلانا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ تو ہے مغرب کا منصوبہ۔ لیکن ہم ذرا اپنے ملک کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں۔ ہمارے ہاں مذہبی گروہ خواہ مغربی نقطہء نظر سے ان کا تعلق بنیاد پرست گروہ سے ہو یا روایتی دیندار گروہ سے، دونوں میں تفریق در تفریق ہو چکی ہے۔ نہ صرف مسلک کی بنیاد پر ان میں گروہ بندی نظر آتی ہے بلکہ ایک مسلک پر عمل پیرا گروہ بھی متحد نہیں۔ ان میں بھی تفریق در تفریق ہو چکی ہے۔ تمام گروہوں کے متبعین میں ایک دوسرے کے لئے بغض و عداوت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے جس کے نتیجے میں فرقہ وارانہ قتل و قتال کی نوبت آئی اور پھر مختلف غیر مذہبی گروہوں نے ان کی آڑ میں اپنا کھیل شروع کر دیا اور اب کہیں بھی کوئی مذہب کی بنیاد پر قتل ہو جائے اسے فوراً فرقہ واریت کا شاخسانہ قرار دیا جاتا ہے چاہے وہ کسی دہشت گروہ کی کارستانی کیوں نہ ہو۔ ہمارے ممتاز سیاسی قائدین سیکولرزم کے پرچارک بنے ہوئے ہیں اور اب ماڈرنزم کے نام پر ایک نیا کھیل شروع ہوا ہے۔ اسلام جو کہ دین فطرت ہے اور فطرت کے خلاف اس میں کوئی بات سرے سے موجود ہی نہیں، اسے روشن خیال اور اعتدال پسند اسلام کے نئے نام سے نوازا جا رہا ہے۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ روشن خیال اور اعتدال پسند اسلام کے پرچارکوں نے آج تک اپنے اسلام کی تشریح پیش نہیں کی۔ جو کچھ وہ اس کے حق میں بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہمارے اس اسلام میں تحمل و برداشت و رواداری ہے۔ تشدد پسندی سے گریز ہے۔ تو کوئی ان سے پوچھے کہ جس کو عام آدمی اسلام کے نام سے

موسوم کرتا ہے کیا اس میں یہ ساری باتیں موجود نہیں؟ اگر مسلمانوں میں سے کچھ لوگ راہ حق سے ہٹ گئے ہیں تو کیا ہمارے حکمرانوں اور نام نہاد روشن خیال دانشوروں پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔؟ کیا ہمارے حکمرانوں کا فرض نہیں تھا کہ جس مقصد کے لئے ہم نے پاکستان حاصل کیا تھا، اسے پورا کرتے کیونکہ ان کے پاس اقتدار کی طاقت موجود تھی اور ہے؟ کیا ہمارے ان دانشوروں کا فرض نہیں تھا کہ جو دانش اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کی تھی اس کو استعمال کرتے ہوئے ملک میں اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے نفاذ کے لئے لوگوں میں رائے عامہ ہموار کرتے؟ اگر وہ ایسا کرتے تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ پاکستان کی اسلامی ریاست کی صورت میں دنیا والوں کو اسلام کا اصل چہرہ نظر آ جاتا۔ لیکن کیا کریں کہ یہ حضرات جمہوریت کی اس نیلم پری کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو چکے ہیں جس کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا کہ ؎

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے جسے جمہوریت کی نیلم پری

جب اپنوں کا یہ حال ہے تو کیسے ممکن ہے کہ ہم شعوری یا لاشعوری طور پر اغیار کے بچھائے ہوئے جال میں گرفتار نہ ہوں۔ اور اگر وطن عزیز کی صورتحال پر گہرے غور وفکر سے کام لیا جائے کوئی بھی اس نتیجے پر باآسانی پہنچ سکتا ہے کہ ہماری صفوں میں وہ آستین کے سانپ موجود ہیں جو اغیار کے اشاروں پر ہر دم ہمیں ڈسنے میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کے حال پر بھی رحم فرمائے اور ہمارے وطن کو بھی اندرونی اور بیرونی ریشہ دوانیوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

بقیہ: سوشلزم کا ''چقندری موٹ''

تاریخ میں ایک داستان عبرت کی حیثیت سے باقی رہ جائے گا کہ اسلام جیسی عالمگیر و جہاں کشا طاقت کے نام لیوا بھی اتنے بے وقوف ہو گئے تھے کہ عصائے موسیٰ علیہ السلام بغل میں تھا اور لاٹھیوں اور رسیوں کو دیکھ دیکھ کر کانپ رہے تھے۔''

اقتباس طویل ہو گیا۔ مولانا مودودی نے آج سے کوئی نصف صدی قبل جو پیشنگوئی کی تھی اس کے مطابق کمیونزم کا تو کریا کرم ہو ہی گیا —— اب سرمایہ دارانہ ڈیموکریسی کی باری ہے —— امریکہ جواب واحد سپر پاور بن کر دنیا خصوصاً عالمِ اسلام میں جو فتنہ انگیزی مچا رہا ہے اور اس کے مظالم نے درندگی کی تمام حدیں پھلانگ لی ہیں۔ اس کا بھی کمیونزم کی طرح انجام قریب ہے۔

قارئین کرام! ''تکلف برطرف'' کا کالم آج کچھ زیادہ ہی سنجیدہ (یہ سنجید کا مونث نہیں ہے) ہو گیا۔ آئندہ را احتیاط۔ اجازت دیجئے۔ یار زندہ صحبت باقی ——

QURAN COLLEGE OF ARTS & SCIENCE

Registered & Recognised by the BISE Lahore

دنیوی اور دینی تعلیم کا حسین امتزاج

قرآن کالج آف آرٹس اینڈ سائنس

نگران و سرپرست: ڈاکٹر اسرار احمد

داخلے جاری ہیں

Classes:

- FA (Arts Group)
- FA (General Science)
- I.Com (Banking/Computer)
- ICS (Math+Stat+Computer Science)
- ICS (Math+Physics+ Computer Science)
- BA (Economics+Maths)
- BA (Other Combinations)

- ایک مکمل تعلیمی و تربیتی پروگرام
- بنیادی دینی تعلیم کا خصوصی اہتمام
- بورڈ اور یونیورسٹی کے نصاب تعلیم کی معیاری تدریس
- آڈیو اور ویڈیو سہولتوں سے آراستہ
- لاہور کے خوبصورت اور پرسکون علاقے میں شاندار عمارت
- انتہائی محنتی اور قابل اساتذہ
- ہم نصابی سرگرمیوں میں تحریر و تقریر پر خصوصی توجہ
- مثالی نظم وضبط
- وسیع و عریض، قابل دید، ایئر کنڈیشنڈ آڈیٹوریم
- ہاسٹل کی محدود سہولت، فرنشڈ کمرے
- کمپیوٹر ایپلیکیشنز میں Office 2000 کی لازمی اور مفت تعلیم

مزید تفصیلات کے لئے درج ذیل پتے سے پراسپکٹس طلب کیجئے

قرآن کالج 191 اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور ☎ 5833637

النصر لیب

مستند اور تجربہ کار ڈاکٹروں کی زیر نگرانی ادارہ' ایک ہی چھت کے نیچے تمام اقسام کے معیاری لیبارٹری ٹیسٹ' ایکسرے' ای سی جی اور الٹرا ساؤنڈ کی سہولیات

محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی نگاہ میں قابلِ اعتماد ادارہ

خصوصی پیکج خصوصی میڈیکل چیک اپ ☆ الٹرا ساؤنڈ ☆ ای سی جی ☆ ہارٹ ☆ ایکسرے چیسٹ ☆ لیور ☆ کڈنی ☆ جوڑوں سے متعلقہ متعدد ٹیسٹ/ ہیپاٹائٹس بی اور سی ☆ بلڈ گروپ ☆ بلڈ شوگر ☆ مکمل بلڈ اور مکمل پیشاب ٹیسٹ صرف 1500 روپے میں کروائیں۔

ISO 9001:2000
QMS CERTIFIED CLINICAL LAB
BY MOODY INTERNATIONAL

تنظیم اسلامی کے رفقاء اور ندائے خلافت کے قارئین اپنا ڈسکاؤنٹ کارڈ لیبارٹری سے حاصل کریں۔

النصر لیب: 950۔بی' مولانا شوکت علی روڈ' فیصل ٹاؤن (نزد راوی ریسٹورنٹ) لاہور
فون: 5162185-5163924 موبائل: 0300-8400944
E-mail: alnasar@brain.net.pk Website: www.alnasar com.pk

شہر بہ شہر قصبہ بہ قصبہ "تنظیم اسلامی" کی سرگرمیاں اور اطلاعات

تھانہ' مالاکنڈ ایجنسی میں دعوتی پروگرام

تھانہ' مالاکنڈ ایجنسی کا اہم مقام اور تعلیمی مرکز ہے۔ ہمارے دو منفرد رفقاء جناب فضل ربی شاہ اور جناب شیر محمد یہاں کے باشندے ہیں۔ حلقہ سرحد شمالی کے ناظم تربیت جناب احسان الودود بھی اسی قصبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ناظم تربیت کی تحریک پر مذکورہ منفرد رفقاء نے 23 مئی 2004ء کو بعد نماز عصر مسجد گھڑی حضرت خیل (تھانہ' مالاکنڈ ایجنسی) میں ایک دعوتی پروگرام رکھا تھا' جس میں ناظم دعوت حلقہ سرحد شمالی جناب مولانا غلام اللہ خان حقانی کو خطاب کرنا تھا۔ لیکن موصوف کی کبل (سوات) میں دعوتی و تنظیمی مصروفیات کے باعث یہ ذمہ داری حلقہ کی طرف سے راقم کو سونپی گئی۔

23 مئی 2004ء بعد نماز عصر راقم نے حاضرین کے سامنے چارٹ کی مدد سے دین اور مذہب کے فرق کو واضح کیا۔ جسے تقریباً ساٹھ افراد نے پوری توجہ سے سنا اور پسند کیا۔ امام صاحب نے راقم کو آئندہ جمعہ کے لئے بمقام مسجد گنیار (تھانہ) خطاب جمعہ اور جمعہ پڑھانے کی دعوت دی' جسے قبول کیا گیا۔

گنیار' تھانہ کے جنوب میں تقریباً چار کلومیٹر کے فاصلے پر واقع خوبصورت پہاڑی مقام ہے۔ یہاں کے باشعور عوام نے ایک فلاحی تنظیم قائم کی ہے جس کے زیر انتظام بہت سے مفید کام سرانجام دیئے جا رہے ہیں۔ عوام کی دینی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں' مناسب انتظام کی موجودگی کے باوصف' مذکورہ فلاحی تنظیم' علاقہ کے علماء اور اہل علم کو وقتاً فوقتاً خطابات اور لیکچرز کے لئے مدعو کرتی ہے۔ گاؤں میں صرف دو مساجد ہیں جن میں سے ایک ''جماعت المسلمین'' سے تعلق رکھنے والے حضرات کے زیر انتظام ہے۔

راقم نے خطاب جمعہ میں دینی فرائض کے جامع تصور پر تقریباً پچاس منٹ گفتگو کی اور جمعہ پڑھایا۔ اس اجتماع جمعہ میں اندازاً 150 افراد تک دعوت پہنچائی گئی۔ فلاحی تنظیم کے جناب محمد حلیم صاحب نے اپنی تنظیم کے آئندہ اجلاس کے موقع پر جناب مولانا غلام اللہ حقانی صاحب کے خطاب کی خواہش کا اظہار کیا۔ (رپورٹ: شوکت اللہ شاکر)

تنظیم اسلامی پاکستان حلقہ سرحد شمالی کی سرگرمیاں

4 جون 2004ء کو حلقہ سرحد شمالی کے تحت گنیار علاقہ تھانہ ملاکنڈ ایجنسی میں ایک تقریب کا اہتمام ہوا۔ جس میں ناظم دعوت جناب غلام اللہ حقانی کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا۔

نماز عصر کے بعد رفیق تنظیم اسلامی شیر محمد کی سورۃ العصر کی تلاوت سے پروگرام کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ جناب غلام اللہ حقانی نے مسلمانوں کی دینی ذمہ داریوں پر مفصل روشنی ڈالی۔ آپ نے مسلمانوں کے تین فرائض بیان کئے۔ (1) ہم دین پر خود عمل کریں۔ (2) اس کو دوسروں تک پہنچائیں۔ (3) اس کو غالب کرنے کی کوشش کریں۔ قرآن کے مختلف مقامات سے ان تینوں کی چار چار اصلاحات بیان کیں۔

آپ نے کہا کہ ہم مسلمان فروعی مسائل میں اختلافات کا شکار ہیں جبکہ اصل مقصد کو ہم نے ثانوی درجہ دیا ہے۔ دین کا غلبہ جو کہ فرض عین ہے۔ اس کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ جس صیغے سے نماز فرض ہوئی ہے اسی اقیمو الدین سے دین کا غلبہ فرض ہے۔

آپ نے کہا کہ ان شاء اللہ دین کا غلبہ ہمارے علاقے خراسان سے شروع ہوگا۔ اس ضمن میں آپ نے احادیث مبارکہ کا حوالہ دیا۔ (رپورٹ: شیر محمد' تھانہ ملاکنڈ ایجنسی)

مولانا غلام اللہ خان حقانی کا دورہ بی بیوڑ

8 مئی کو مولانا غلام اللہ خان حقانی صاحب ایک روزہ پروگرام کے لئے عصر سے پہلے تشریف لائے۔ پروگرام کا پہلا خطاب بعد از نماز عصر جامع مسجد بیبوڑ میں ہوا۔ دینی فرائض کا جامع تصور کے موضوع پر مولانا نے خطاب کیا۔ دوران خطاب 30 احباب موجود تھے۔

دوسرا خطاب جامع مسجد گندیگار میں بعد نماز مغرب ہوا۔ موضوع منہج انقلاب نبویؐ تھا۔ 80 کے قریب احباب نے جم کر سنا۔ اگلے دن صبح مولانا نے درس قرآن دیا۔ 20 احباب نے شرکت کی۔ ناشتے اور چائے کے بعد دفتر تنظیم میں ایک خصوصی پروگرام ہوا۔ 20 کے قریب احباب آئے ہوئے تھے۔ مولانا موصوف نے سوالات کے جوابات دیئے۔ اس کے ساتھ ہی پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ (رپورٹ: ممتاز بخت)

تنظیم اسلامی بی بیوڑ کی دعوتی سرگرمیاں

28 اپریل 2004ء راقم بمعہ تین رفقاء عالم زیب' حسین احمد اور حیات بیبوڑ کے نزدیک گئے۔ دورہ تنظیم کی دعوت پہنچانے کی نیت سے بوقت 10 بجے گھروں سے نکل کر جیپ میں سوار ہوئے۔ نماز ظہر سے پہلے (نکہار) خاص پہنچے۔ بعد از نماز فرائض دینی کا جامع تصور پر حسین احمد نے 20 منٹ خطاب کیا۔ 35 افراد نے سنا۔ پھر ہم نے جس گاؤں میں رات گزارنی تھی وہاں روانہ ہوئے' نماز عصر سے پہلے سیال کس پہنچے۔ جہاں پر شفیع اللہ جو سکول ٹیچر ہیں ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ مشورہ کے بعد موضوعات تقسیم کئے گئے۔ بعد از نماز عصر حسین احمد نے فرائض دینی اور بعد از نماز مغرب راقم نے منہج انقلاب نبویؐ اور اگلے دن صبح عالم زیب نے راہ نجات پر درس قرآن دیا۔ ہر خطاب میں اوسطاً 30 احباب نے شرکت کی۔ یہ پروگرام شفیع اللہ صاحب کی خواہش پر ہوا تھا۔

(رپورٹ: ممتاز بخت)

دعائے مغفرت

☆ قرآن اکیڈمی لاہور کے مدیر شعبہ مطبوعات حافظ خالد محمود خضر کے بھتیجے عارف محمود رانا کی پونے چار سالہ بیٹی چھت سے گر کر جاں بحق ہو گئی ہے۔ قارئین ندائے خلافت اور رفقاء سے لواحقین کے لئے صبر جمیل کی درخواست ہے۔

☆ شعبہ مطبوعات کے ملازم سلیم باری صاحب کے چچا انتقال فرما گئے ہیں۔

☆ تنظیم اسلامی میرپور جاتلاں کے مبتدی رفیق محمود اختر کجلانوی کے والد صاحب وفات پا گئے ہیں۔

قارئین ندائے خلافت اور رفقاء و احباب سے مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

دعائے صحت کی اپیل

امیر تنظیم اسلامی حلقہ سندھ زیریں محمد نسیم الدین صاحب گزشتہ چند دنوں سے علیل ہیں۔ رفقاء و احباب سے ان کے لئے دعائے صحت کی اپیل ہے۔

آیئے! وقت کو قیمتی بنایئے خود سیکھئے اور سکھایئے

سہ روزہ' ہفت روزہ پروگراموں میں وقت دے کر اپنے فکر کے استحکام' جز کی تربیت حاصل کریں' داعی الی اللہ بنیں اور دیگر تنظیمی و انتظامی امور میں حصہ لیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کے لئے قبول فرمائے۔ آمین۔

رفقاء احباب دفتر حلقہ/ مرکز سے رابطہ کریں۔ آپ کے جواب کے منتظر

منجانب: شعبہ دعوت و تفریغ اوقات' تنظیم اسلامی

both Muslim and non-Muslim masses because they equally reap the consequences of wars, occupations and puppet regimes imposed on the Muslim world for "moderating" Muslims and Islam. The neo-cons argue that the Muslim World as a whole is devoted to terrorism for which the West needs to "rebuild" and introduce a "civil, democratic Islam." Infected with benighted opportunism, Muslim "moderates" endorse this lie when they lump 1.2 billion Muslims and argue: "the Muslim world has to shun militancy" and "extremism" for "enlightened moderation." [7]

It is not that benighted opportunism has over-powered the "moderates" to the extent that they do not realise the truth. General Musharraf cautiously concedes: "the West, and the US in particular, must aim at resolutely resolving all political disputes with justice." It means:

1) the US and its allies are not dealing with justice and their injustice is the root cause of the problems today, and

2) Whoever stands by the unjust in perpetrating injustice becomes accomplice in the crimes of the unjust.

The Question is, what makes the "moderates" stand by the US shoulder to shoulder in perpetrating injustice when they admit, in Musharraf words: "the root cause of extremism and militancy lies in political injustice, denial and deprivation," not Islam.

Opportunism and denial such a realisation hold "moderate" Muslims from supporting their words with deeds. General Musharraf's sermons about "political injustice" are meaningless as long as the US backed dictators remain committed to perpetuating themselves in power and ignore their guilt in continuing political injustice to Muslim nations.

In their attempts to make the leg-less moderation stand, the "moderates" contradict and undermine what they stand for. After giving a historical background, Musharraf proves that Islam, as a religion, does not "preaches or infuses militancy and extremism." To him, it is "the political disputes which led to antagonism in the Muslim masses."

When this is true, there is no need for promoting secularism, taking out Qur'anic verses from the school curriculum, proposing "moderation," civilising Islam and advancing neo-concepts concepts that have nothing to do with Islam at all. If any moderation is required, it is required of those who are responsible for the root causes of the problem.

Promoting "moderation" that runs against the common beliefs of Islam is just a mockery of Muslims and Islam. Musharraf says Muslims have to "wash off the common belief that Islam is a religion…in conflict with modernization, democracy and secularism." Please note, this is the crux of "moderate" message, which takes the soul out of both moderate's Islam and the neo-cons' theory of "moderation."

Most importantly, the western masses need to understand is that there is no place for secularism in Islam. It also rejects the forms of governance and modernization which are not bound by the prescribed limits of the Qur'an and *Sunnah*. However, this does not necessarily mean that Islam in its true, fundamental sense is against democracy, modernization, education, human rights and so on. If anyone thinks so, he is either a victim of the neo-cons' lies or the neo-mods' benighted opportunism.

The solution to the world problems lies in realization that leaving Muslims alone to live by Islam is the only way forward to peace and security for all. Propping dictators for promoting misconceptions about Islam will never work.

M. A. Niazi of the *Nation* has wrapped the argument well: He writes: "At one level, a single Muslim state, especially one which implements Islam, is the West's only safe guarantee against what it calls terrorism. If it met the *Sharia* requirements, it would be able to control jihad, which has always been seen as a state activity, and those who perforce have to carry on an unprecedented 'private' jihad because of oppression, will be bound to follow the decisions of the Muslim [Islamic] State on whether their struggle constitutes a *jihad* or not. With a strong military, this state would be able itself to deal with Israel and India, at least to reduce oppression, without seeking succour from the West."

خطاب عام

موضوع :فتنہ دجال فتنة النساء

مقرر: خالد محمود عباسی صاحب

مورخہ: 28 جون بروز پیر بعد از نماز مغرب

بمقام: مسجد تقویٰ (دفتر تنظیم اسلامی) جلال پور روڈ نزد تھانہ سول لائن گجرات

الداعی الی الخیر: امیر تنظیم اسلامی گجرات احمد علی بٹ ایڈووکیٹ

Vol: 13 Regd. No. LRL -50 No. 25
Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(E-mail: abidjan@tanzeem.org)

Benighted Opportunism

Both General Musharraf and his widely publicized pleas for "enlightened moderation" are totally irrelevant as long as these are not seen in the context of providing the West with an excellent opportunity to rethink its policies towards the Muslim world.

General Musharraf's speech alone is enough to prove that there is more to the Muslim world than secular dictators, Osama, "moderation," and terrorism, and great care and understanding are needed if the enemies on both sides of the divide are to be identified and, at least, marginalized.

The General's plea shows that the mantra of "moderation" — as the Western neo-cons and neo-mods of Islam see it — is at best, a lamb's logic and, at worst, promotion of the Western war lords' concept, which they need for justifying perpetual wars, occupations and support to dictatorial regimes.

Since the OIC Conference (2003) General Musharraf is tirelessly working to get credit for the concept of "enlightened moderation." All he could actually do is just added word "enlightened" to "moderation" — a term the Western war lords have invented to use both as a weapon and a shield since long. It is their potent weapon for winning a war on Islam. However it is used as a shield when the warriors claim to using it not for a war on Islam but only intensifying a "war within Islam," — a repetitively less offensive phrase for stating the core objective.

Among Muslims the borrowers and promoters of "moderate" Islam are the classic examples of benighted opportunists.

General Musharraf's recent "plea" displays the mindset infected with benighted opportunism. It is a mindset shaped into believing the much trumpeted allegation of the Western war lord's that "the suffering of the innocent multitudes" in the world nowadays is only due to Muslim "militants, extremists and terrorists."

Musharraf had no option but to begin his plea with the same idea. However, the signs of confusion are so obvious in his thoughts. He admits in the later part of his plea that these terms are wrongly labeling of Muslims alone. In his opinion, if Muslims alone are responsible and he is making a plea to them, why say "wrongly labeled?"

Naively following the neo-cons' concept, the General argues that the world is "an extremely dangerous place" because of "plastic explosives, combined with hi-tech, remotely controlled activation means," and "suicide bombers." Like all moderates, the "enlightenment" makes him conclude that the world is in such a sorry state because "the perpetrators of the crime...are Muslims."

Musharraf holds Muslims responsible for the "carnage" in the world — again giving weight to views propagated by anti-Islam propagandists and ignoring that total number of victims of alleged and actual Muslim "terrorism" hardly surpasses 5000 figure. Compare this with the killing of 1.7 million Iraqis with sanctions and the thousands upon thousands civilians killed in Afghanistan and Iraq.

Do we need to remind "moderates" that the 20th century's *mega-murderers* — those states killing in cold blood, aside from warfare, one million or more people — have murdered over 151,000,000 people, almost 30,200 times the 5000 killed by Muslim terrorists, and four times the 38,500,000 battle-dead for all the 20th century's international and civil wars up to 1987. All these killers were not only real carnage-makers but also followers of one or another religion and ideology. Did anyone think of bringing moderation to their faith?

Then there are the *kilo-murderers*, or those states that have killed innocents by the tens or hundreds of thousands, the top five of which were the China Warlords (1917-1949), Atatürk's Turkey (1919-1923), the United Kingdom (the 1914-1919 food blockade of the Central Powers and Levant in and after World War I, and the 1940-45 indiscriminate bombing of German cities), Portugal (1926-1982), and the US sponsored Indonesia (1965-87).

The US played a leading role in sponsoring and directly taking part in these carnages. For instance, 450,000 to 500,000 communists and sympathizers were killed by the U.S. backed Indonesian Army and affiliates in a short period between October 1965 and the end of 1966.

One is forced to ask: What role did Islam or Muslims play in these carnages? Why should the world associate carnage, terror and extremism to Muslims for the death of a fraction of human beings compared to the systematic murder of many millions in the 20th century alone?

Not that the course of mindless revenge taken by some Muslims is right or prescribed by Islam, it is that for the sake of fairness in argument, one has to put statistics of the deaths at the hands of Muslim "terrorists" side by side with the systematic death, destruction and misery inflicted by the US and its allies on humanity to let the world see who is responsible for making the world a "dangerous place" and who needs moderation.

The mantra of moderation is no more than a weapon equally used by the neo-cons in the West and the dictators and other neo-mods for their personal gains in the Muslim world. Their victims are